کتاب	:	تذکرہ شعرای کشمیر
تالیف	:	محمد اصلح متخلص بہ میرزا
مرتب	:	سید حسام الدین راشدی
ناشر	:	اقبال اکادمی پاکستان (لاہور)
سال اشاعت	:	۱۹۸۳ء
مبصر	:	ڈاکٹر عارف نوشاہی

اصلح کا لکھا ہوا ایک تذکرہ شعرائے فارسی' سید حسام الدین راشدی (م ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء) نے مرتب کیا اور اسے "تذکرہ شعرای کشمیر" تالیف اصلح متخلص بہ میرزا کا نام دیا۔ اس عنوان سے یہ تذکرہ دو بار اقبال اکادمی پاکستان لاہور کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ پہلے ۱۹۶۷ء میں اور پھر ۱۹۸۳ء میں۔ اسی ایڈیشن کی عکسی اشاعت بغیر کسی حک و اصلاح اور حذف و اضافہ کے ہوئی۔

راشدی مرحوم کی تاریخ سندھ اور ادب فارسی کے لیے بیش بہا خدمات سب پر عیاں ہیں۔ ان کے مرتبہ "تذکرہ شعرای کشمیر" کے بارے میں اپنی دو اختلافی آراء پیش کر رہا ہوں اور ارباب تحقیق کو مزید غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔

اول: تذکرے کا نام اور اختصاص

راشدی مرحوم نے "گزارش کے عنوان کے تحت اس تذکرے پر اپنے پیش لفظ میں واضح کیا ہے کہ "تذکرے کا نام معلوم نہیں اور نہ مولف نے دیباچے میں لکھا ہے۔" مگر "لیاقت لائبریری والے نسخے کے ابتدائی خالی اوراق کے ایک کونے پر ـــــ تذکرہ شعرای کشمیر ـــــ لکھا ہوا ہے' لہٰذا ہم نے یہی نام اختیار کیا ہے۔"

اصول تحقیق میں اس قسم کی الحاقی تحریروں سے استناد کو چنداں اعتبار حاصل نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات یہ تحریریں گمراہ کن ہوتی ہیں۔ معلوم نہیں کیوں فاضل مرتب نے اس تحریر کو اتنے اہم مسئلے میں بنیاد بنا لیا حالانکہ بقول راشدی مرحوم لیاقت لائبریری کراچی کا نسخہ نہایت غلط ہے۔ خود راشدی مرحوم کو اعتراف ہے کہ بعض ایسے شعراء بھی اس تذکرے میں آگئے ہیں

جن کے کشمیر سے تعلق کی تصدیق انہیں اس وقت تک نہیں ہو سکی تھی، بلکہ ایک آدھ شاعر کے متعلق تو یہ گمان ہے کہ وہ برصغیر میں غالباً کبھی نہیں آیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی راشدی مرحوم کا اس تذکرے کو "تذکرہ شعرای کشمیر" قرار دینا تعجب خیز ہے۔

اس تذکرے میں کل ۳۰۵ شعراء مذکور ہوئے ہیں۔ اور خود فاضل مرتب نے ان کی جو مکانی نسبت متعین کی ہے، اس کے مطابق حسب ذیل اعداد و شمار سامنے آتے ہیں:

کشمیری شعرا	ایک سو گیارہ (۱۱۱)
غیر کشمیری شعرا	اٹھاون (۵۸)
جن کی نسبت متعین نہیں ہوئی	ایک سو چھبیس (۱۳۶)

گویا کشمیری اور بقیہ شعراء کا تناسب ۱۱۱ : ۱۹۳ کا ہے، تو اس کے باوجود کیا یہ تذکرہ "کشمیر" سے مختص اور منسوب کیا جا سکتا ہے؟

اصلح نے اپنے دیباچے میں جو راشدی مرحوم کے خیال میں "سرسری اور ناقص" ہے اپنے تذکرے کی یہ خصوصیت بتائی ہے کہ یہ "شہنشاہ فریدوں آستان، سایہ قادر منان، حضرت خلد مکان کے زمانے سے لے کر" —— ناصر الدین محمد شاہ غازی کے عہد تک کے شاعروں کا تذکرہ ہے۔ گویا مصنف نے اپنے تذکرے کے شاعروں کی زمانی حدود متعین کی ہیں، مکانی (کشمیر) نہیں۔ راشدی مرحوم نے "حضرت خلد مکان" سے مراد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ (۱۰۶۹-۱۱۱۸ھ) لیا ہے، مگر خود بعض شعراء کا زمانہ حیات ایسا مقرر کیا ہے جو اکبر، جہانگیر اور شاہجہان کے ادوار سے متعلق ہے۔ مثلاً مرزا مقصود کاشی متوفی ۹۸۷ھ۔

اصلح کا تعلق چونکہ کشمیر سے ہے، لہٰذا اس نے وطنی رجحانات کے پیش نظر متعدد ہم وطن شعراء کو اپنے زیر ترتیب تذکرے میں شامل کر لیا، لیکن یہ کہ تذکرۂ اصلح مکمل طور پر کشمیر کے شعراء کا تذکرہ ہے، محل نظر ہے۔ ہم اسے مغلیہ دور کے شعراء کا تذکرہ کہہ سکتے ہیں جن کا تعلق مختلف علاقوں سے تھا۔

دوم: تذکرے کا مصنف

اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ تذکرہ "اصلح" کا تصنیف کردہ ہے مگر راشدی مرحوم نے اپنے پیش لفظ میں مصنف کے بارے میں دو باتیں ایسی لکھی ہیں جن پر از سر نو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ مرحوم لکھتے ہیں:

۱۔ —— نہ خود شاعر کی حیثیت سے انہوں (یعنی اصلح) نے اپنا حال تذکرے میں شامل کیا

ہے۔ اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ نام کے اور اجزاء کیا تھے۔ نیز یہ بھی نہیں معلوم کہ —— میرزا —— ہی تخلص تھا یا مرزا اصل تخلص کا اضافی اور عرفی جزو ہے۔"

۲۔ "ان کی شاعری کا نمونہ ہمارے سامنے نہیں۔"

زیر نظر اشاعت میں متن کے صفحہ ۳ پر "محمد اصلح اشہر" نام اور تخلص کے تحت یہ سطور لکھی ہوئی ہیں:

> "خادم فقرا ی صاحب اثر محمد اصلح اشہر' از خانہ زادان موروثی شہنشاہ سلیمان بارگاہ محمد شاہ است و بہ تعینانی..... در خدمت صاحب کمالان و بندگی درویشان ہمیشہ ممتاز....." (کذا)

اس کے بعد ردیف "الف" کی غزلوں کے پندرہ متفرق اشعار بطور نمونہ درج ہوئے ہیں' اور راشدی مرحوم نے پاورقی میں یہ لکھا ہے کہ آٹھ اشعار اور حالات زندگی کے بارے میں عبارت پڑھی نہیں جاسکی۔

یہ محمد اصلح اشہر کون ہے؟ "تذکرہ شعرای کشمیر" میں مذکور اشخاص کے اشاریے میں راشدی مرحوم نے "اشہر' میرزا محمد اصلح" لکھ کر صفحات ۱،۳ کی طرف اشارہ کیا ہے (ص ۷۳)۔ صفحہ ۱ پر "اصلح متخلص بہ میرزا" آیا ہے اور صفحہ ۳ پر "محمد اصلح اشہر" یعنی راشدی مرحوم نے دونوں کو ایک ہی شخصیت سمجھتے ہوئے یکجا ذکر کیا ہے ورنہ صفحہ ۱ پر مذکور اصلح متخلص بہ میرزا کا ذکر فہرست اسمائے اشخاص میں "میرزا" یا "اصلح" کے تحت ہونا چاہیے تھا۔

راشدی مرحوم نے جب اشاریے میں بالواسطہ طور پر یہ تسلیم کرلیا ہے کہ اصلح متخلص بہ میرزا اور محمد اصلح اشہر ایک ہی شخص ہے تو انہوں نے پیش لفظ میں نام کی اس شباہت کی طرف کوئی اشارہ کیوں نہیں فرمایا؟

اصلح کے والد' تین چچا' خسر(۱) چچا اور پھوپھی کے بیٹے' سب شاعر تھے اور ان کے حالات اس تذکرے میں موجود ہیں تو اصلح جو خود بھی شاعر تھا' وہ اپنے حالات کیوں نہ لکھتا۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کرلیں کہ "محمد اصلح اشہر" کے تحت جس شخص کے حالات اور اشعار نقل ہوئے ہیں' وہ کوئی دوسرا 'اصلح' ہے تو اس کے باوجود ہمارے مصنف کا شاعر ہونا تذکرے کی ایک اور داخلی شہادت سے پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے اور اس کی شاعری کا "نمونہ" ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ محمد علی رائج سیالکوٹی کے ترجمے میں رائج کا ایک شعر نقل کرنے کے بعد مصنف نے

یہ عبارت لکھی ہے "فقیر حقیر ہم در تبسش بیتی فکر کردہ" اس کے بعد اپنا شعر درج کیا ہے۔

اب ہم پھر اسی فارسی عبارت کی طرف لوٹتے ہیں جو "محمد اصلح اشہر" کے عنوان کے تحت نقل ہوئی ہے اور اس کا تجزیہ کرتے ہیں:

۱۔ "خادم فقرای صاحب اثر"۔ اس شکل میں مندرجہ عبارت کا مفہوم یہ ہے: "تاثیر والے فقراء کا خادم۔" مگر یہ عبارت یوں بھی پڑھی جاسکتی ہے: "خادم فقراء، صاحب اثر" یعنی فقراء کا خادم اور اس اثر (تصنیف) کا مالک (مصنف)۔

۲۔ "اثر" کے وزن پر "اشہر" لکھا گیا ہے۔ یعنی محمد اصلح کا تخلص اشہر ہے، اور یہ واضح ہے۔ اس طرح راشدی مرحوم کا وہ ابہام دور ہوجاتا ہے جس کا اظہار انہوں نے اصلح کے تخلص "میرزا" ہونے کی صورت میں کیا ہے۔

۳۔ "ازخانہ زادان موروثی شہنشاہ سلیمان بارگاہ محمد شاہ است۔" صاحب تذکرہ اصلح کا باپ سرکاری عہدہ دار تھا اور اصلح اشہر بھی خود کو محمد شاہ کا موروثی ملازم بتا رہا ہے۔

۴۔ صاحب تذکرۂ اصلح کا زمانہ حیات محمد شاہی دور ہے۔ اور اصلح اشہر بھی اسی عہد کا شاعر ہے۔

دونوں شاعروں کے ناموں کی مشابہت اور حالات کی مطابقت سے کم از کم میں تو یہی نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ صاحب تذکرہ کا نام "محمد اصلح" متخلص بہ "اشہر" تھا اور محمد اصلح اشہر کے تحت جو حالات اور اشعار درج ہوئے ہیں، وہ خود صاحب کتاب کے ہیں۔ کاش! وہ پوری عبارت ہمارے سامنے موجود ہوتی جو راشدی مرحوم نہیں پڑھ سکے تھے اور جس کی موجودگی میں یہ بحث مزید آگے بڑھ سکتی ہے۔

حواشی

(۱) راشدی مرحوم نے شیخ محمد مسلم سنھی کو اصلح کا خسر بتایا ہے (گزارش، ص ۱۲)، یہ صحیح نہیں ہے۔ خود اصلح نے شیخ عبداللہ مجرم کے حالات میں انہیں "خسر فقیر" لکھا ہے۔ (ص ۳۵۹)

* * *

نام کتاب　　قدم آدم
مصنف　　اکبر حمیدی
ناشر　　بٹر پبلشرز پوسٹ بکس ۲۵۳-۲- اسلام آباد
مبصر　　پروفیسر نظیر صدیقی

اردو ادب' خاکہ نگاری اور تصویر نگاری میں بہت صاحب ثروت ہے- اکبر حمیدی کی نئی کتاب "قدم آدم" اردو خاکہ نگاری میں ایک اہم اضافہ ہے- اکبر حمیدی' بحیثیت شاعر اور بحیثیت نثر نگار اردو ادب کے قارئین کے لیے بہت جانے پہچانے ہیں- چار شعری مجموعوں (جن میں غزلیں ہیں) کے علاوہ اکبر حمیدی انشائیوں کے دو مجموعے اور ایک تنقیدی مضامین کی کتاب اب تک پیش کرچکے ہیں- اب انہوں نے بہت نمایاں کامیابی کے ساتھ خاکہ نگاری کی ہے- ایک شاندار نثر نگار کے طور پر اکبر حمیدی نے انشائیہ نگاری اور خاکہ نگاری کی اصناف میں اپنا تشخص قائم کیا ہے اور اپنی پہچان بنانے میں کامیابی حاصل کی ہے- بحیثیت نقاد ابھی انہیں اور کام کرنا پڑے گا-

اکبر حمیدی کی نئی کتاب "قدم آدم" دو حصوں میں تقسیم ہے- پہلا حصہ اس کے خاندان کے ارکان اور دوسرے عزیزوں کے لیے مخصوص ہے جن کی تعداد سات ہے- دوسرا حصہ چودہ خاکوں پر مشتمل ہے- جو مشہور و معروف شاعروں اور ادیبوں پر لکھے گئے ہیں- ان میں جوش ملیح آبادی' ڈاکٹر وزیر آغا' محمد طفیل' ڈاکٹر وحید قریشی' مظفر علی سید' نظیر صدیقی' غلام جیلانی اصغر' ڈاکٹر عبدالرشید تبسم' راسخ عرفانی' منشا یاد' رشید امجد' محمود احمد قاضی' عذرا اصغر اور اختر امان شامل ہیں-

چونکہ یہ سب شخصیتیں ایک سطح کی نہیں ہیں' اس لیے ان کے خاکے بھی ایک معیار کے نہیں ہیں- اردو کے ان چودہ شاعروں اور ادیبوں میں بہترین خاکے جن شخصیتوں پر لکھے گئے ہیں' ان کے نام ہیں: "ادب کا مردِ آہن" (ڈاکٹر وحید قریشی) "آزاد مرد" (جوش ملیح آبادی)' "دیو جانس کلبی" (مظفر علی سید)' "پروفیسر بے نظیر صدیقی" (نظیر صدیقی)' "اردو ادب کا رتھ بان"

(ڈاکٹر وزیر آغا)' ڈونڈھو گے ہمیں ملکوں ملکوں (ڈاکٹر عبدالرشید تبسم) "قاضی" (محمود احمد قاضی)' "نرم دم گفتگو" (عذرا اصغر)۔ باقی خاکے بھی بہت پڑھے جانے کے لائق ہیں لیکن نسبتاً زیادہ قابل ذکر نہیں۔

یہاں ہمیں خاکہ نگاری اور تصویر نگاری (قلمی تصویر) میں فرق کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ خاکہ نگاری میں شخصیت کی چند جھلکیاں ہوتی ہیں جبکہ تصویر نگاری' شخصیت کی مکمل تصویر کا نام ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص "شخصیت" رکھتا ہو۔ شاید خاکہ نگاری کیمرے سے بنائی ہوئی تصویر ہے جبکہ قلمی تصویر ایک پینٹنگ کا نام ہے۔ فوٹو گرافی ہمیں بتاتی ہے کہ کوئی آدمی کیسا دکھائی دیتا ہے۔ جبکہ پینٹنگ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ آدمی اندر سے کیا ہے۔ بہرحال' یہ اختلافات ان دونوں فنون کی پوری طرح وضاحت نہیں کرسکتے۔ بعض اوقات خاکہ نگاری اور تصویر کشی ایک دوسرے کی حدود میں داخل ہو جاتی ہیں اور ان کے "شیڈز" ایک دوسرے پر غالب نظر آنے لگتے ہیں۔

خاکے اور قلمی تصویریں عام طور پر مشہور و معروف لوگوں پر لکھے جاتے ہیں۔ عام لوگ' کہانی کاروں کا موضوع بنتے ہیں۔ افسانہ نگار ان عام آدمیوں کو زندہ کرداروں میں ڈھال دیتے ہیں۔ یہ عام لوگ جب کہانیوں' ناولوں اور ڈراموں کے ذریعے زندہ کردار بنتے ہیں' تب ہم محسوس کرتے ہیں کہ وہ کس قدر دلچسپ ہیں۔ اس کے علاوہ عام لوگ عام قاری کے لیے دلچسپی کا باعث نہیں بنتے۔

لیکن بعض اوقات قلمی تصویر بنانے والے ادیب عام لوگوں کو اپنا موضوع بناتے ہیں اور اپنی نظر کی گہرائی اور قلم کی طاقت کے ذریعے انہیں غیرفانی بنا دیتے ہیں۔ اردو ادب میں کم سے کم ایسی دو مثالیں تو موجود ہیں۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق اور پروفیسر رشید احمد صدیقی اردو ادب میں قلمی تصویر کشی کرنے والے بہترین ادیبوں میں شامل ہیں۔ دونوں نے قلمی تصویر کشی کے ذریعے دو عام آدمیوں کو زندہ جاوید کر دیا ہے "نام دیو مالی" اور "ایوب مرحوم" ان دونوں ادیبوں کی بہترین تخلیقات ہیں۔ میرے نزدیک "ایوب مرحوم" بڑی تخلیق ہے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی نے ایک بڑے صاحب اسلوب ادیب کی حیثیت سے "ایوب مرحوم" کو زیادہ موثر اور زیادہ پرکشش بنا دیا ہے۔

اکبر حمیدی نے بھی اپنے عزیز و اقارب کی سات قلمی تصویریں بنا کر ایک بڑے کام پر ہاتھ ڈالا ہے۔ یہ قلمی تصویریں جن لوگوں کی بنائی گئی ہیں' ان میں اکبر حمیدی کی ماں' باپ' تایا' تایا

کی بیگم' تایا کے بیٹے اور اکبر حمیدی کے گاؤں کے دو اور افراد شامل ہیں۔ اکبر حمیدی نے "ماں جی" کے نام سے اپنی ماں کی قلمی تصویر اس قدر فنی گرفت اور قابلیت سے بنائی ہے کہ ہمیں کہانی کار قدرت اللہ شہاب کی بنائی ہوئی مشہور قلمی تصویر "ماں جی" یاد آجاتی ہے۔ "ماں جی" کے عنوان سے بنائی گئی ان دو قلمی تصویروں میں یہاں میں کوئی موازنہ نہیں کروں گا۔ اس لیے نہیں کہ ان میں موازنہ مناسب نہیں بلکہ اس لیے کہ ان میں موازنہ کرنا ایک مشکل کام ہے۔ دونوں قلمی تصویریں غیر اہم شخصیتوں کی ہیں۔ یہ تو دو بیٹوں (شہاب اور حمیدی) کی اپنی اپنی ماؤں سے گہری محبت ہے جس نے دو عام اشخاص کو دو شخصیتوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ صرف ایک معیار ہے جس کے ذریعے ایسی قلمی تصویروں کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جاسکتا ہے' اور وہ معیار پروفیسر رشید احمد صدیقی نے پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "قلمی تصویر کشی کا فن یہ ہے کہ آپ اپنی پسند کے آدمی کو میری پسند کا آدمی بنا دیں۔" یہ دونوں خاکے اس معیار پر پورے اترتے ہیں۔

اکبر حمیدی کی ان سات قلمی تصویروں میں سے دو اس کے اپنے خاندان سے تعلق نہیں رکھتی' لیکن یہ دو قلمی تصویریں بھی اتنی ہی اچھی ہیں جتنی اس کے خاندان کے لوگوں کی۔ گاؤں ایک بڑے خاندان کی طرح ہوتا ہے۔ اکبر حمیدی کی بنائی ہوئی یہ سات قلمی تصویریں جو غیر معروف شخصیتوں کی ہیں' اس کتاب کے دوسرے حصے کے ان چودہ خاکوں سے بہتر ہیں' زیادہ دلچسپ اور زیادہ زندہ ہیں جو مشہور و معروف ادیبوں اور شاعروں پر لکھے گئے ہیں۔

اکبر حمیدی نے اپنے خاندان کے لوگوں کی جو سات قلمی تصویریں بنائی ہیں' ان کی ستائش رام لعل' پروفیسر غلام الثقلین نقوی اور ڈاکٹر وزیر آغا جیسے ادیبوں نے کی ہے۔ ان اہل قلم نے خصوصاً "بے بے جی" "ابا جی" اور "ماں جی" کے نام سے بنائی گئی قلمی تصویروں کو ترتیب وار بہت سراہا ہے۔

اپنے مختصر "پیش لفظ" میں اکبر حمیدی نے خاکے' قلمی تصویر اور سنگتراشی میں ایک دلچسپ مشابہت کی نشان دہی کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب وہ اس کتاب کے خاکے اور قلمی تصویریں لکھ رہا تھا' اسے مائیکل انجلو کا یہ کہا ہوا یاد آتا رہا کہ "تصویریں پہلے سے پتھروں میں موجود ہوتی ہیں' میں صرف فالتو پتھر ہٹا دیتا ہوں۔" بالکل اسی طرح اکبر حمیدی نے ان شخصیتوں میں سے خاکے اور قلمی تصویریں حاصل کر لی ہیں جن پر اس نے لکھا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کچھ لوگوں میں خاکے یا قلمی تصویر کے خدوخال واضح ہوتے ہیں اور کچھ میں غیر واضح۔ مصنف کا کام

یہ ہے کہ وہ خدوخال کو نمایاں' واضح اور قابل دید بنا دے۔

خاکہ لکھنے یا قلمی تصویر بنانے کے لیے اس شخص کا مطالعہ کرنا ہوتا ہے جس کے بارے میں لکھنا ہو۔ اکبر حمیدی نے نہ صرف ان لوگوں کا مطالعہ کیا ہے جن کا اسے خاکہ لکھنا تھا یا قلمی تصویر بنانی تھی' بلکہ اس نے ان کی زندگی سے وہ سبق بھی اخذ کیے ہیں جو ان شخصیتوں کی ذات سے وابستہ ہیں۔ سو اس نے صرف ان لوگوں کو ہی سمجھ سوچ کر نہیں لکھا جن کے خاکے یا تصویریں اسے لکھنی تھیں بلکہ اس معاملے میں اکبر حمیدی نے انسانی زندگی اور انسانی معاملات کو بھی سوچا اور سمجھا ہے۔ شاید میں یہاں اس کتاب کے کچھ خوبصورت اقتباسات دیے بغیر اپنے جذبات کا پوری طرح اظہار نہ کر سکوں۔ سو کچھ اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"زندگی کا بازار رنگا رنگ چیزوں سے بھرا ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کوئی کیا خریدنا چاہتا ہے ـــــ اور کیا وہ اپنی پسند کی چیزیں خریدنے کی طاقت رکھتا ہے؟ تاہم شہرت' عزت' نیک نامی' امانت' دیانت یہ سب خوبصورت چیزیں ہیں۔ ہر کوئی انہیں خریدنا چاہتا ہے ـــــ مگر کیا ہر کوئی قیمت بھی ادا کرنے کو تیار ہے؟"

"زندگی سے سمجھوتہ یکطرفہ ہی ہو سکتا ہے ـــــ اور میرا خیال ہے زندگی سے یکطرفہ سمجھوتہ بھی ہمارے ہی حق میں ہے۔"

زیر تبصرہ کتاب ظاہری "گٹ اپ" کے لحاظ سے بھی خوبصورت ہے۔

***

کتاب۔ علم انتظامیات : تعارف اور کتب خانوں پر اطلاق

مصنف : ڈاکٹر سجاد الرحمٰن

ناشر : پلسا' جامعہ پنجاب' لاہور' ۱۹۹۳ء

صفحات : ۳۴۸

قیمت : ۲۰۰ روپے

مبصر : محمد سہیل عمر

خالص فنی نوعیت کی اس کتاب پر یہ ایک غیر فنی تبصرہ ہے۔ کتاب پر غیر ماہرانہ رائے دینے اور دخل در انتظامیات کا ارتکاب کرنے کے لیے ہمارے پاس یوں تو کئی جواز موجود ہیں لیکن یہاں سردست اتنا عرض کریں گے کہ ہم نے کتاب کو پڑھا اور استعمال کیا ہے اور اپنے تجربے کی روشنی میں بلا تامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک مفید' معلومات افزا' ماہرانہ اور معیاری تصنیف ہے۔ تجربے کا حوالہ دینے اور اسے کتاب پر تبصرے کی جسارت کا جواز بنانے کی ضرورت اس لیے درپیش ہوئی کہ دس سال تک اردو میں امور دفتری انجام دینے اور کتب خانے کی تشکیل نو اور نظم و نسق کے مراحل طے کرنے کے بعد جب ہمیں اتفاقاً علم انتظامیات کے تکنیکی کورسوں میں شمولیت کا اتفاق ہوا تو یہ حیرت ناک صورت حال سامنے آئی کہ اس شعبہ علم کی حد تک اردو میں تدریس اور اس کے لیے درکار درسی مواد سرے سے مفقود ہی نہیں ہے بلکہ اسے ایک مضحکہ خیز اور ناممکن العمل' کار بے مصرف سمجھا جاتا ہے۔ اس رویے کی کسی حد تک گنجائش اس لحاظ سے تو نظر آتی ہے کہ پاکستان ہی میں نہیں بلکہ مغرب میں بھی دیگر شعبہ ہائے علم کے مقابلے میں انتظامیات ایک نسبتاً جدید موضوع ہے اور اس کو ادھر تیس پینتیس سال سے زیادہ فروغ ملا ہے۔ لیکن اس کے نووارد اور نو خیز شعبہ علم ہونے کی آڑ لے کر اگر اردو زبان کی تہی دامنی کا گلہ اور اس میں تکنیکی اصطلاحات کی سمائی نہ ہونے کا شکوہ مقصود ہو تو بات حد جواز سے باہر نکل جاتی ہے۔ مغرب میں اور پیروی مغرب کے کارن پاکستان میں اس شعبہ علم کی بڑھتی ہوئی مقبولیت' روز افزوں استعمال اور اطلاق کے پیش نظر ضرورت اس بات کی تھی کہ قارئین

اور طلبا کے اس طبقے کے استفادہ عام کے لیے اردو میں انتظامیات پر ایک جامع دستاویز فراہم ہو جو بوجوہ انگریزی کتب سے براہ راست حوالے اور مطالعے پر قادر نہیں ہے اور ان کی ایک بڑی تعداد ہے۔ سجاد الرحمٰن صاحب کی علم انتظامیات کی اشاعت سے صرف یہ ضرورت ہی پوری نہیں ہوتی بلکہ اردو میں انتظامیات کے موضوع پر مستند اور معیاری تحریروں کا آغاز بھی ہوتا ہے۔ لائق ستائش یہ پہلو ہے کہ یہ ابتدائی اور اولین کوشش اتنی وقیع، بھرپور، ہمہ گیر اور اعلیٰ علمی معیار کی حامل ہے کہ اس کی اشاعت کو ہم اس علمی سفر کا آغاز ہی نہیں ایک اہم پیشرفت اور سنگ میل قرار دے سکتے ہیں۔ چونکہ مصنف نے اپنے بنیادی شعبے اور موضوع سے رشتہ وفا برقرار رکھا ہے لہٰذا کتاب انتظامیات کے ساتھ ساتھ کتب خانوں کے نظم و نسق اور کارکردگی پر اس موضوع کے اطلاق کو بھی اپنے جلو میں لے کر چلی ہے اور اس اعتبار سے بھی اسے ایک اہم اضافہ شمار کیا جاسکتا ہے۔ اس کا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ اگرچہ علم کتابداری اور لائبریری سائنس پر اردو میں خاصا درسی مواد موجود ہے لیکن لائبریری کے انتظامی معاملات اور ان معاملات پر جدید علم انتظامیات کے اطلاق کے بارے میں ضروری دستاویزات اور مہارت کا فقدان ہے۔ مصنف نے پہلے باب میں اس صورت حال کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ پاکستان میں نہ صرف انتظامیات کتب خانہ کی تدریس سے متعلق اساتذہ میں مطلوبہ درجہ مہارت مفقود ہے بلکہ نصابی کتب اور درسی مواد کے لیے بھی مغربی ممالک کی شائع کردہ چند کتب استعمال کی جاتی ہیں (ص ۹) جبکہ یہ ایک بدیہی سی بات ہے کہ لائبریری سائنس کی تعلیم حاصل کرنے والے طلبا اور آگے چل کر امور کتب خانہ انجام دینے والے لائبریرین یا کتابدار حضرات کو جلد یا بدیر انتظامی امور سے سابقہ پڑنا ناگزیر ہوتا ہے اور اگر ان کے نصاب اور علمی و عملی تربیت میں انتظامیات کا جزو شامل نہ ہو تو اس مرحلے پر ان میں انتظامی لیاقت کی کمی کتب خانے کی عمومی کارکردگی کو منفی طور پر متاثر کرسکتی ہے۔ مغربی ممالک میں علم کتابداری کے نصاب میں انتظامیات کو ایک موثر حیثیت سے شامل ہوئے تقریباً ایک صدی ہونے کو آئی ہے۔ کتاب کا پہلا باب ہمارے سامنے اس ایک صدی میں ہونے والے تجربات اور آراء کا خلاصہ پیش کرتا ہے اور اس پس منظر میں مقامی صورت حال یعنی پاکستان میں علم کتابداری و انتظامیات کا تجزیہ کرتا ہے جس کے بعض نکات کی طرف ہم نے سطور بالا میں اشارہ کیا ہے۔

باب دوم کا آغاز ایک قدم پیچھے سے ہوتا ہے کیونکہ یہاں مصنف نے خود علم انتظامیات کی تعریف اور اس کے بنیادی تصورات کا تعارف اور وضاحت پیش کی ہے، انتظامی سطحوں میں فرق

بیان کیا ہے اور انتظامی عمل کے مختلف مراحل و مدارج کا تعارف کرایا ہے' جس کے ذیل میں تنظیمی رویوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے ارتقاء اور دوسرے علوم کے ساتھ اس کے تعلق کی صراحت بھی کی گئی ہے علم انتظامیات ایک جداگانہ میدان فکر و عمل ہے لہٰذا اس میں مختلف مکاتب فکر پائے جاتے ہیں۔ مصنف نے ان کا تعارف بھی شامل کیا ہے اور اس طرح نہ صرف کلاسیکی انتظامیات' انسانی روابط کی تحریک' نظامی مکتب فکر اور انحصاری مکتب فکر کے خدوخال قاری کے سامنے آجاتے ہیں بلکہ ان مکاتب فکر کے درمیان موجود فکری اور ارتقائی رشتوں کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے۔ باب کے آخر میں لائبریری کے ادارے پر علم انتظامیات کے اثر کا جائزہ لیا گیا ہے۔

تیسرا باب تنظیمی زندگی میں گروہی کردار سے بحث کرتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ گروہ' طبقات اور انسانی اجتماع کی متنوع صورتیں تمدن انسانی کی بنیادی ضروریات ہیں۔ جب گروہ ہوگا تو اس کے افراد کی حیثیت اور منصب کا تعین درکار ہوگا اور ان کے باہمی عمل اور تعامل کا سلسلہ وجود میں آئے گا اور اسے بے سمتی اور ژولیدگی سے بچانے کے لیے نظم و ضبط درکار ہوگا اور یہاں انتظامیات ایک بامقصد حوالے کی حیثیت اختیار کر لے گی۔ کتاب کا تیسرا باب علم انتظامیات کے نقطۂ نظر سے گروہی کردار کا جائزہ لیتا ہے اور اس کے متعلقہ پہلوؤں کی وضاحت کرتا ہے۔

دفاتر میں عام طور پر شکایت سنی جاتی ہے کہ کارکن کام میں دلچسپی نہیں لیتے' بیگار ٹالتے ہیں' کارکردگی پست ہے' بے رغبتی اور غیرذمہ داری عام ہے۔ منتظمین کو اس مشکل کا سامنا رہتا ہے کہ دفتری کام اور فرائض منصبی کو ملازمین کے لیے کس ترکیب اور ترغیب یا ترہیب سے دلچسپ بنایا جائے اور ان میں نشاط کار کیسے بیدار کی جائے کہ کارکردگی کا معیار بہتر ہو اور کارکن زیادہ لگن اور امنگ سے اپنے فرائض انجام دیں۔ یہ کتاب کے چوتھے باب کا موضوع ہے جو انتظامی عمل میں اچھی کارکردگی اور عمدہ نظم و نسق کے محرکات سے بحث کرتا ہے اور اس حوالے سے بنیادی اور ثانوی محرکات کی نوعیت اور ماہیت بیان کرتا ہے۔ اس ضمن میں نفسیات کے مختلف مکاتب فکر اور ان کے نظریات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور ان کی روشنی میں محرکات عمل کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ باب اس موضوع پر اب تک کے مباحث کا احاطہ بھی کرتا ہے اور قاری پر یہ واضح بھی کرتا ہے کہ کارکنوں کی عملی تحریک و ترغیب میں کارفرما عوامل کیا ہیں اور کسی ادارے کی تنظیمی زندگی میں محرکات عمل اور ان کے اصولوں کے اطلاق سے کارکنوں میں کیسے جذبہ عمل پیدا کیا جاسکتا ہے اور اسے منفی اثرات سے کیونکر محفوظ رکھا جاسکتا

ہے۔ اسی طرح کتب خانوں کے نظم و نسق میں محرکات عمل کی کارفرمائی کے راہنما اصولوں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔

محرکات عمل کو بروئے کار لانے اور موثر انداز میں استعمال کرنے کی صلاحیت کا نام قیادت ہے اور انتظامیات میں یہ ایک اہم موضوع ہے۔ مصنف نے پانچویں باب میں وضاحت کی ہے کہ قیادت سے کیا مراد ہے' قائدانہ اختیار کی نوعیت کیا ہے اور قیادت سے تنظیمی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ تمام نظری مباحث بھی بالاختصار سامنے لائے گئے ہیں جو قیادت کے سلسلے میں مختلف مکاتب فکر کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں کیونکہ ان سب مکاتب فکر کی تحقیقات نے قیادت کے پیچیدہ تصور کو واضح طور پر سمجھنے میں ایک خاص کردار ادا کیا ہے اور ان سب کی مدد سے قیادت کے ایک مربوط ماڈل کا خاکہ ابھرتا ہے جس کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ ایک خاص ماحول میں کار فرما بہت سارے عوامل کے زیر اثر ہی کوئی قیادت کامیاب ہو سکتی ہے اور منتظمین کو ماحول اور تنظیمی زندگی کے اہم عوامل کا ادراک کرنا چاہیے۔ بالخصوص اگر لائبریری کے منتظمین' قیادت اور نگرانی کے متعلقہ تصورات سے کماحقہ' بہرہ ور ہوں تو لائبریری کی کارکردگی بطور ایک ادارے کے کہیں بہتر ہو سکتی ہے۔

ساتھ ہی ساتھ' قیادت اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے کے لیے اور ادارے کے اہداف و مقاصد حاصل کرنے کے لیے منصوبہ بندی کرتی ہے' ان کے مطابق ضروری فیصلے کرتی ہے اور منصوبوں کی تکمیل کے لیے اخراجات کئے جاتے ہیں۔ نیز جہاں مالی وسائل ہوں وہاں ان کو کسی مقصد اور ترتیب سے خرچ کرنے کے لیے میزانیہ سازی کی ضرورت پیش آتی ہے جو مالی وسائل پر انتظامیات کے اطلاق سے عبارت قرار دیا جاسکتا ہے۔ باب ششم میں مصنف نے منصوبہ بندی کے بنیادی تصورات کی وضاحت کی ہے اور اس کی اہمیت بیان کرنے کے ساتھ اس کی مختلف سطحوں کے مابین رابطوں کی نوعیت اجاگر کی ہے نیز اس کے مختلف مراحل کی روشنی میں منصوبہ بندی کا ایک مربوط ماڈل پیش کیا ہے۔ باب کا ایک اہم حصہ وہ ہے جو میزانیہ سازی کے ساتھ مختلف اسالیب سے بحث کرتا ہے اور اس کے عملی اطلاق کے علاوہ لائبریری میں میزانیہ سازی کے لیے عملی نکات پیش کرتا ہے۔

کسی ادارے کے اہداف و مقاصد کا تعین ہو چکے اور ان کے حصول کے لیے درکار مالی اور انسانی وسائل فراہم ہو جائیں تو ان وسائل کو ایک تنظیمی شکل دینے کا مرحلہ درپیش ہوتا ہے تاکہ کارکنوں کے درمیان درجہ بندی اور فرائض و اختیارات کی تقسیم و تنظیم کے ذریعے وہ

مقاصد حاصل کئے جائیں جن کے لیے ادارہ وجود میں لایا گیا تھا۔ باب ہفتم اسی مرحلے سے بحث کرتا ہے کہ تنظیمی عمل کیسے بروئے کار لایا جاتا ہے' اس کے بنیادی تصورات اور اصول کیا ہیں اور ان کے مطابق اداروں میں بالعموم اور کتب خانوں میں بالخصوص' تنظیمی ڈھانچہ کیسے اور کن طریقوں سے ترتیب دیا جاتا ہے' اختیارات کی تقسیم مفوضہ ذمہ داریوں اور مناصب کے مطابق کیونکر ہونی چاہیے' حیطۂ انتظام کا تعلق انتظامی سطحوں اور تفویض کار سے براہ راست کیوں ہے اور اداروں کے انفرادی حالات و ضروریات کے مطابق بعض عوامل کا اخذ و انتخاب کس طرح کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں ایک اور مفید چیز یعنی تنظیمی ڈھانچے کو چارٹ یا جدول کی شکل میں ڈھال کر پیش کرنے کے بارے میں بھی سیر حاصل معلومات دی گئی ہیں۔ کسی بھی ادارے کی کامیابی میں یہ تنظیمی عمل بنیادی اور دور رس اہمیت رکھتا ہے۔ جس حد تک یہ عمل اس ادارے کے مقاصد' ماحول اور کوائف سے مطابقت رکھے گا اسی حد تک ادارے کے اہداف و مقاصد بخوبی پورے ہوسکیں گے۔

ادارے کا تنظیمی عمل ایک لحاظ سے نامکمل رہے گا اگر تنظیمی ڈھانچہ تشکیل دینے کے بعد اور مختلف مناصب اور ان کے متعلقہ فرائض و اختیارات کا تعین کرنے کے ساتھ ساتھ تشکیل کار اور ادارے کے عملے کے معاملات بھی طے نہ کئے جائیں۔ اس مرحلے کے اہم پہلوؤں سے باب ہشتم بحث کرتا ہے کہ کسی منصب پر تقرر کے لیے متعلقہ کارکن کی تعلیمی استعداد اور تجربے کے کوائف کیا ہوں گے' اس کو کیا اعمال و فرائض انجام دینے ہوں گے' اس کے عناصر کار کیا ہوں گے' اور ان کے افقی اور عمودی رشتے کیسے واضح کئے جائیں گے۔ گذشتہ ابواب کی طرح یہ باب بھی تشکیل کار کے اہم تصورات بیان کرتے ہوئے ان میں نفسیات و انتظامیات کے مختلف مکاتب فکر کے اثرات کا جائزہ لیتا ہے۔ تشکیل کار کا سارا عمل اس لیے بھی زیادہ اہمیت اختیار کرلیتا ہے کہ اگر اس کے لیے ایک قابل اعتماد نظام وضع نہ کیا جائے تو عملے کا انتخاب اور تربیت کا اہتمام صحیح خطوط پر نہیں کیا جاسکتا اور اس کے نتیجے میں ادارے کے اہداف و مقاصد کے حصول میں دشواری پیدا ہوتی ہے۔

اس سارے انتظام و انصرام کا آخری اور اہم ترین شعبہ یا جزو جائزہ کارکردگی سے عبارت ہے جس سے نہ صرف کارکنوں کی کارکردگی اور رویوں کی اصلاح کے لیے ایک ٹھوس اور سائنٹفک بنیاد فراہم ہوتی ہے بلکہ کسی بھی ادارے میں عملے کی مستقبل کی ضروریات کا تعین کرنے اور عملے کو اس کے لیے تیار کرنے کا موقع ملتا ہے۔ جائزہ کارکردگی کے مقاصد' معیارات'

جائزے کے لیے اختیار کردہ طریقے اور اس سلسلے کی فروگذاشتیں اور کوتاہیاں آخری باب کا موضوع ہیں۔ مصنف نے ہمارے اداروں میں ہونے والی غفلت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ لائبریریوں میں انتظامی صورت حال کی اصلاح کا ایک بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ان اداروں کے منتظمین جائزہ کارکردگی کے عمل سے بخوبی واقف ہوں اور ان کا عملہ اس شعوری احساس کے ساتھ مائل بہ کار ہو کہ ان کی کارکردگی کی جانچ پڑتال ہو گی اور مستقبل کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی پیشہ وارانہ استعداد اور کارکردگی کو مسلسل بہتر بنائیں۔

کتاب کے آخری گیارہ صفحات ان اصطلاحات کی فہرست پر مشتمل ہیں جو متن میں استعمال ہوئی ہیں۔ اس فہرست کو انگریزی حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق رکھا گیا ہے جو شاید سہواً ہوا ہے کیونکہ اس سے اردو اصطلاحات کو انگریزی مترادف کے حوالے سے تلاش کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ کتاب اردو میں ہونے کی وجہ سے اس فہرست کو بھی اگر اردو الف بائی ترتیب دی جاتی تو اس سے استفادہ آسان تر ہوتا۔

مصنف کی تحریر ساری کتاب میں شگفتہ اور رواں علمی نثر کا عمدہ نمونہ پیش کرتی ہے جو شاید ان کی فنی مہارت اور زبان پر اچھی دسترس کے ساتھ ان کے مزاج کی بھی آئینہ دار ہے۔ فنی مباحث پر مبنی اس نوعیت کی تحریر کو رواں دواں اور سلیس اسلوب تحریر میں پیش کرنا قابل داد ہے۔ جن قارئین کو دفتری اور تکنیکی امور پر اردو تحریریں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ ہمارے اس تاثر کی تائید کریں گے تاہم یہ بھی درست ہے کہ یہ کتاب قاری سے سنجیدہ دلچسپی، توجہ اور محنت کا تقاضا کرتی ہے لیکن اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ کتاب اصطلاحات سے گرانبار اور مشکل اور نامانوس الفاظ کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے۔ سبب یہ ہے کہ ہماری عادات مطالعہ اور سہولت پسندی اس مشقت سے نبرد آزما ہونے کی نوبت ہی نہیں آنے دیتیں جو اردو میں آغاز کار کرنے اور لگے بندھے انگریزی دفتری نظام اصطلاحات کے طرز کہن کو بدلنے میں ایک مرتبہ تو برداشت کرنا پڑتی ہے۔

وضع اصطلاحات کے ضمن میں چند باتوں کی طرف توجہ دلانا البتہ ضروری ہے۔ اصطلاحات اور تراکیب وضع کرتے ہوئے مولف کا رجحان عموماً عربی ذخیرۂ الفاظ سے اخذ و انتخاب کی طرف رہا ہے جس سے بعض جگہ اصطلاحات کے فہم میں کسی حد تک دقت اور اجنبیت کا احساس ہوتا ہے۔ ہمارے علمی، فنی، شعری اور تمدنی ورثے کا غالب حصہ فارسی کے توسط سے ہم تک منتقل

ہوا ہے اور اس میں مروج اصلاحات یا اس کی بنیاد پر وضع کردہ جدید اصطلاحات و تراکیب اردو میں با آسانی جذب بھی ہو جاتے ہیں اور عموماً قریب الفہم بھی ثابت ہوتے ہیں۔ تبصرے کی حدود میں رہتے ہوئے ہمارے لیے ممکن نہیں ہے کہ اصطلاحات کے سلسلے میں اپنی تجاویز کا مفصل تذکرہ کرسکیں۔ مشتے نمونہ کے طور پر چند متبادل الفاظ درج کئے جاتے ہیں۔

اسلوب فکر کا لفظ اردو میں طرز فکر' انداز نظر کے معنی میں پہلے ہی مروج ہے اسے بدل کر سکول آف تھاٹ کے ترجمے کے طور پر برتنا مناسب نہیں ہوگا جبکہ اس کے لیے مکتب فکر کی اصطلاح رائج ہے۔ سمعی و بصری اعانات کے مفہوم کو عموماً سمعی و بصری ذرائع / وسائل یا عکس و آواز کے ذریعے کی اصطلاح سے ادا کیا جاتا ہے۔ اعانات اردو میں نامانوس لفظ شمار ہوگا۔ محکمانہ قیادت کے بجائے حاکمانہ قیادت زیادہ موزوں لگتا ہے۔ وسطی رجحانیت کی جگہ مرکزی رجحان بہتر رہے گا۔ سربراہ منتظم ذرا اکھڑی ہوئی نئی اصطلاح ہے جب اردو میں اس مفہوم کے لیے پہلے ہی صدر منتظم' سربراہ اعلیٰ یا منتظم اعلیٰ کے الفاظ مستعمل ہیں۔ انحصاری اسلوب فکر کا متبادل نظریۂ انحصار' یا نظریۂ عرضیت ہوسکتا ہے۔ کنٹرول سب سسٹم کے لیے تجویز کردہ اصطلاح 'نظام ضبط' کو شاید 'ذیلی نظام کنٹرول' بہتر ادا کرسکے۔ 'حیاتیت' اور 'حیاتیات' اردو میں پہلے ہی بائیولوجی کے مشتقات کے طور پر زیر استعمال ہیں نیز 'ایگزسٹنس' کے ترجمے کے طور پر انہیں برتنا درست معلوم نہیں ہوتا جبکہ اس اصطلاح کے لیے مختلف سیاق و سباق میں 'ہستی' اور 'وجود' کے دو الفاظ خاصے عام ہیں۔ اسی طرح 'توجیہ' کا لفظ اردو میں سبب' وجہ یا علت بیان کرنے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ ڈائریکشن کے ترجمے کے طور پر اس سے خلط مبحث ہوگا۔ 'ہدایات دینا' یا 'ہدایت کاری' ہی بہتر انتخاب سمجھا جانا چاہیے۔ درآمدات کا لفظ اردو میں امپورٹ کے لیے کثرت سے لکھا اور بولا جاتا ہے۔ 'ان پٹ' کے لیے اس کی جگہ 'اندراج' یا 'مدخولات' کے الفاظ یا کمپیوٹر کی اس نووارد اصطلاح کو بہتر ادا کرنے والا کوئی اور لفظ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ 'کوورکر' کے لیے کردار کا لفظ جچتا نہیں۔ 'رفیق کار' عام طور پر بولا اور سمجھا جاتا ہے۔ 'نیڈھائیر آرکی' کا ذرا بہتر ترجمہ 'مدارج حاجت' کے بجائے 'مدارج احتیاج' ہوسکتا ہے۔ 'اختیار' کا لفظ کنٹرول اور پاور دونوں لفظوں کے لیے برتا گیا ہے۔ موخرالذکر کا ترجمہ قوت یا قدرت سے کیا جائے تو غلط فہمی کی گنجائش کم ہوگی۔ 'پیمائشی پیمانے' کو 'کمیتی پیمانے' سے بدل دینا مناسب ہے کیونکہ 'کوانٹٹی' کے لیے کمیت کا لفظ صدیوں سے معروف ہے۔ 'خطی توارث' کی اصطلاح اردو میں کچھ بھی ابلاغ نہیں کرتی۔ اس کے لیے نظام مراتب یا درجہ بندی کے الفاظ موزوں تر ترجمہ فراہم کرتے ہیں۔

'یافت' کا لفظ اپنے معروف معنوں میں آمدن یا پیداوار کا مفہوم ادا کرتا ہے اور کتاب میں مصنف نے اسے اسی معنی میں برتا بھی ہے تاہم اسے دوبارہ 'ری ٹریول' کے ترجمے کے لیے لایا گیا ہے۔ اس کے لیے تجویز کیا جاسکتا ہے کہ 'یافت' کی جگہ 'بازیافت' کا لفظ استعمال کرنے سے کمپیوٹر کی اس اہم اصطلاح کے معنی و عمل کا بہتر اور واضح تر ابلاغ ممکن ہے۔ "حسیاتی شعبہ" اردو میں خالی از معنی لگتا ہے۔ 'ذیلی نظام حسیات' بہتر ہوگا۔ 'اعلیٰ سطحی منتظم' کو منتظم اعلیٰ ہی کہنا کافی ہے۔ 'وحدت توجیہ' اور 'وحدت تحکیم' بالترتیب 'وحدت احکامات' اور 'وحدت ہدایات' کی شکل میں زیادہ قریب الفہم ہوں گے۔ 'ویلڈ' اور 'ویلڈوٹی' کے لیے مصنف نے 'صحت معیار' کی ترکیب اختراع کی ہے۔ پاکستانی پاسپورٹ پر اس لفظ کا ترجمہ 'کار آمد نہ رہے گا' کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ ایک مختلف سیاق و سباق میں 'جواز' یا 'جواز اطلاق' بھی اس کا موزوں ترجمہ ہوسکتا ہے۔ اس آخری نکتے سے ایک اور چیز کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ ترجمہ کرتے ہوئے یا اصطلاح قائم کرتے ہوئے یہ لازمی نہیں ہونا چاہیے کہ یک لفظی یا دو لفظی تراکیب ہی اختیار کی جائیں۔ ابلاغ معانی کا تقاضا ہو اور یک لفظی اصطلاح کفایت نہ کرے تو معنی کھول کر اور پھیلا کر لکھنے میں کوئی قباحت نہیں ورنہ اصطلاحات کا حجاب روئے معانی کو نگاہوں سے پوشیدہ کرنے کا فریضہ انجام دینے لگتا ہے۔ اس کا تذکرہ یوں بھی ضروری تھا کہ لگتا ہے کہ مصنف نے اصطلاحات سازی کے دوران میں یہ پابندی خود پر عائد کی ہے جس سے ان کا کام دشوار تر ہوگیا۔ سطور ماقبل میں مذکور اصطلاحات کے بارے میں تجاویز پڑھتے ہوئے یہ فراموش نہیں ہونا چاہیے کہ کتاب باریک مشینی کتابت کے ۳۴۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اتنی ضخیم کتاب میں چند اصطلاحات کا قابل ترمیم ہونا یا قابل بحث شمار ہونا اس کی عمومی افادیت' معیار تحریر اور سلاست بیان پر ہرگز اثرانداز نہیں ہوتا۔ مشینی کتابت ہونے کے باوجود کتاب میں صرف گنتی کی چند اغلاط ہیں اور وہ بھی ان صفحات پر زیادہ تر نظر آتی ہیں جو خاکوں' جدولوں اور نقشوں کی شکل میں ہیں اور جن کے لیے دستی کتابت استعمال ہوئی ہے۔ اردو الفاظ کے املا میں کتاب میں امالے کے مسئلے پر کسی ایک اصول کی پیروی البتہ نہیں کی گئی۔ بہتر ہوگا کہ آئندہ اشاعت میں جہاں اصطلاحات پر نظرثانی کی جائے گی وہاں امالے کو بھی اس کی متفقہ صورت میں زیر استعمال لایا جائے یعنی ویسے ہی جیسے بولا جاتا ہے۔ آئندہ ایڈیشن کا تذکرہ ایک اعتبار سے دعائیہ اختتام قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ کتاب خوب استعمال ہو اور اس کی دوسرے بہتر اور نظرثانی شدہ اشاعت کی جلد ہی نوبت آئے' کیونکہ اردو کا ذکر کیا انگریزی میں بھی اتنا مواد اس ترتیب سے یکجا کم ہی نظر آتا ہے۔

کتاب	:	اقبالیاتی ادب کے تین سال (۱۹۸۷ء- ۱۹۸۹ء)
مصنف	:	ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
ناشر		حرا پبلی کیشنز' اردو بازار' لاہور
ضخامت	:	۱۸۴ صفحات
قیمت	:	۴۵ روپے
مبصر	:	عبداللہ شاہ

کسی بڑے مفکر' دانشور یا فن کار کی عظمت کا اندازہ اس علمی و ادبی سرمائے سے بھی کیا جاتا ہے جو اس کی وفات کے بعد اس کے افکار و نظریات کی تفہیم کے لیے وجود میں آتا ہے۔ اقبالیات کے ضمن میں بھی یہ ضروری ہے کہ اس کے علمی و ادبی سرمائے کی جانچ پرکھ سائنٹفک بنیادوں پر ہوتی رہے تاکہ اقبالیاتی تحقیق و تنقید کا معیار برقرار رہے۔

عظیم مسلم مفکر علامہ اقبال کے فکر و فلسفہ کو ہم اپنی قوم کی اجتماعی زندگی اور ملی احساسات سے الگ نہیں کرسکتے' اس لیے اقبالیاتی ادب کے حسن و قبح کا جائزہ' ایک ادبی ضرورت کے ساتھ' اہم قومی فریضہ بھی ہے۔ کاروان "اقبالیات" نے آج سے پون صدی قبل' اقبال کے حین حیات جو سفر شروع کیا' وہ آج بھی جاری ہے اور اس موضوع پر مختلف پہلوؤں سے کتابیں' مضامین اور مقالات ایک تسلسل کے ساتھ چھپ رہے ہیں۔ ان کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے' اور یوں مطالعہ اقبال' اقبال فہمی اور اقبال شناسی کی ایک تحریک میں ڈھل رہا ہے۔ اقبالیات کے ذخیرے میں اضافے کے ساتھ افکار اقبال کی بعض ایسی تشریحات بھی ہو رہی ہیں جو بہرحال محل نظر ہیں۔ ضروری تھا کہ سال بہ سال اقبالیاتی ادب کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ لے کر مطالعہ اقبال کے صحیح رخ متعین کیے جائیں اور اس سلسلے میں بعض لکھنے والوں کے ہاں جو تسامحات نظر آتے ہیں' ان کی نشان دہی کردی جائے تاکہ کاروان اقبالیات کا سفر صحیح سمت میں جاری رہے۔

معاصر اہل قلم کی کاوشوں کا تنقیدی جائزہ اور ان کے علمی و ادبی کارناموں پر متوازن انداز

میں اظہار رائے ایک مشکل کام ہے۔ ایک تو اہل قلم کا حساس طبقہ مدلل تنقید کو بھی با آسانی قبول نہیں کرتا' دوسرے جائزہ نگار بھی بعض اوقات اپنی رائے مسلط کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ شاید یہی وجوہ تھیں کہ ایک مدت تک اقبالیاتی جائزے کے اہم کام کو کسی نے منضبط انداز میں شروع کرنے کی ہمت نہیں کی۔ گو' اختر جونا گڑھی نے "اقبالیات کا تنقیدی جائزہ" جیسی عمدہ تصنیف کے ذریعے اس موضوع کا ایک تقاضا پورا کرنے کی ابتدا کی' لیکن اس کے بعد' ایک مدت تک' اس میدان میں ایک خاموشی طاری رہی یہاں تک کہ اقبالیات کے محقق ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اس عالمی ضرورت کا احساس کیا اور اقبالیاتی ادب کا سال بہ سال جائزہ لینا شروع کیا۔

ڈاکٹر ہاشمی ایک ربع صدی سے اقبالیات سے وابستہ ہیں (اقبالیات پر انہوں نے پہلی کتاب "اقبال کی طویل نظمیں" ۱۹۷۰ء میں تحریر کی تھی) اور ان کی سولہ سترہ تصانیف میں سے بیشتر اقبالیات سے متعلق ہیں۔ وہ ایک ایسے محقق ہیں جو دلائل اور حوالے سے بات کرتے ہیں اور جذبات سے مغلوب نہیں ہوتے اور یہ اعتدال طبع ان کی سلامت روی کی غماز رہی ہے۔ انہوں نے ابتدا سے ۱۹۸۴ء تک کے اقبالیاتی ادب کا جائزہ تین مبسوط مقالات (مشمولہ : "اقبالیاتی جائزے") میں پیش کیا اور ۱۹۸۵ء اور ۱۹۸۶ء کے اقبالیاتی ادب کا جائزہ دو الگ الگ تصانیف کے ذریعے منظر عام پر لائے جن میں کتب' مضامین اور مقالات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ان کے محاسن' حسن و قبح' رجحانات اور تسامحات کی نشان دہی کی گئی ہے۔

زیر نظر کتاب "اقبالیاتی ادب کے تین سال (۱۹۸۷ء ـــــ ۱۹۸۹ء)" متذکرہ بالا سلسلے کی تازہ کڑی ہے جس میں سہ (۳) سالہ اقبالیاتی ادب کی پیش رفت کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اگر ہاشمی صاحب کے گزشتہ مقالات اور متذکرہ تصانیف کو مدنظر رکھا جائے تو اقبالیات کی تاریخ مرتب ہوتی نظر آتی ہے۔ یہ کتاب پندرہ ابواب پر مشتمل ہے جس میں متن کی دریافت و تدوین' تراجم' حوالہ جاتی کتب' سوانحی ذخیرہ' جامعاتی تحقیق' موضوعاتی مطالعے' بعض اہم مباحث وغیرہ عنوانات کے تحت متعلقہ کتابوں' مضامین اور مقالات کا تعارف' تبصرہ اور تجزیہ پیش کیا ہے۔ مصنف نے بڑے جچے تلے اور سائنسی انداز میں زیر تبصرہ کتب کی افادیت اور ساتھ ہی ان کی خامیوں کی نشان دہی کی ہے۔ چونکہ ڈاکٹر ہاشمی' اقبالیات کے بارے میں وسیع معلومات رکھتے ہیں (بلکہ آہستہ آہستہ اقبال انسائیکلوپیڈیا کا درجہ حاصل کر رہے ہیں) اس لیے ان کی عمیق نظروں سے کسی کتاب یا مضمون کا کوئی پہلو چھپا نہیں رہ سکتا۔ پھر اس موضوع پر کام کا انہیں جو

تجربہ حاصل ہوا ہے' اس کا کوئی بدل نہیں۔ اس لیے ان کا تجزیہ حوالوں اور دلائل کے ساتھ تحقیق بن کر سامنے آتا ہے۔ انہوں نے کوشش کی ہے کہ دنیا کی کسی بھی زبان میں اقبال پر جو کچھ شائع ہوا' اس کا ذکر کر دیا جائے۔ چنانچہ کتاب میں ایسی بہت سی معلومات جمع ہو گئی ہیں جو عام قارئین تو ایک طرف' محققین اقبالیات کے لیے بھی نئی ہیں۔ اس جائزے کا یہ پہلو بھی اہم ہے کہ ہاشمی صاحب نے ہمیں اقبالیاتی سرگرمیوں سے بھی باخبر کیا ہے۔ "اقبالیات متفرق" میں انہوں نے اقبالیات سے متعلق تقاریب' کانفرنسوں اور سیمیناروں کی رپورٹیں درج کر دی ہیں جو بجائے خود دلچسپ اور معلوماتی ہیں۔ اقبال کے افکار و نظریات اور شخصیت کے حوالے سے اس عرصے میں اخباروں میں مضامین کے سلسلے اور مباحث' بعض اہم خبریں اور واقعات' اقبال سے نسبت رکھنے والے افراد کی وفیات اور اقبالیاتی ادب کا شماریاتی جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ اس طرح ان تین سالوں میں اقبالیاتی ادب سے متعلق کوئی اور موضوع ممکنہ حد تک باقی نہیں رہا۔ ۱۹۸۶ء کے اقبالیاتی جائزے میں انہیں جو کتب میسر نہ آسکی تھیں' ان کا ذکر بھی اس کتاب میں بطور ضمیمہ شامل کر کے اس خلا کو پر کیا ہے۔ اس طرح اس کتاب کی حیثیت' اقبالیات کی تاریخ میں ایک بیش قیمت تحقیقی و تنقیدی دستاویز کی ہے۔

***

Poems from Iqbal
Translated by
V.G. KIERNAN

A collection of more than a hundred renderings in English verse of longer and shorter pieces chosen from the collections of Iqbal's Urdu and Persian poetry which include religious, lyrical, satirical and philosophic themes. Exquisite style, remarkable beauty of language, supplemented by a preface and full explanatory notes by the translator as well as comparative Urdu text.

IqbalCyberLibrary.Net ©2002-2006

کتاب : کبریت احمر کی تلاش میں--- ابن عربی کی سوانح حیات(۱) (انگریزی)

مصنفہ : کلود عداس

ناشر : اسلامک ٹیکسٹس سوسائٹی، کیمبرج انگلستان، ۱۹۹۳ء

صفحات : XIII +۳۴۷

قیمت : ۱۸ برطانوی پاؤنڈ

مبصر : محمد سہیل عمر

شیخ اکبر کی تعلیمات اور تالیفات پر کام کرنے والے ماہرین کی طرف سے اکثر یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (۵۶۰- ۶۳۸ھ / ۱۱۶۵- ۱۲۴۰ء) کی تالیفات میں پیش کردہ اساسی تصورات اور شیخ کی تعلیمات ان کے روحانی سفر کا عکس ہیں اور ان کو اپنی سوانح حیات میں جو مقامات اور منازل عرفان طے کرنے کا موقع ملا انہی کا پرتو ان کی تعلیمات میں واضح طور پر جھلک رہا ہے- دوسری جانب یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ شیخ اکبر کی عمومی شہرت کے باوجود ان کی سوانح حیات اور اس کے اہم واقعات کے بارے میں ماہرین کے طبقے میں بھی ایک حیرتناک بے خبری پائی جاتی ہے- حال ہی میں چھپنے والی دو کتب کا حوالہ اس صورت حال کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہوگا-

اقبال اور مسلم مفکرین(۲) کے عنوان سے ڈاکٹر ملک حسن اختر کی کتاب ۱۹۹۳ء میں طبع ہوئی- اس کا چھٹا باب "ابن عربی اور اقبال" شیخ اکبر کی تعلیمات اور اقبال کے افکار کا ایک مختصر موازنہ پیش کرتا ہے- شیخ اکبر کی سوانح کے بارے میں جو معلومات فراہم کی گئی ہیں وہ کچھ یوں ہیں-

> ابتدائی زندگی مرسیہ میں گزارنے کے بعد اشبیلیہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں نشو ونما پائی اور تعلیم حاصل کی- اس کے بعد انہوں نے مختلف ممالک کی سیر کی- دو سال تک ایک خاتون فاطمہ سے روحانی درس لیا- یہ عورت انہیں بیٹا کہتی تھی....(۳)

شیخ اکبر کی بھرپور زندگی اور علوم و معارف نیز برزخی واقعات اور روحانی مکشوفات سے مملو سفر زیست کا کتنا اندازہ مندرجہ بالا اقتباس سے کیا جا سکتا ہے قارئین خود قیاس کر سکتے ہیں!

الف۔ د۔ نسیم صاحب کی کتاب مسئلہ وحدت الوجود اور اقبال کا تو انتساب بھی شیخ اکبر کے نام ہے اور اس کے مباحث بھی بالعموم صحت سے قریب تر ہیں تاہم جہاں شیخ کی سوانح کا ذکر آیا ہے وہاں مندرجات کی حالت ما قبل مذکور حوالے سے بھی زیادہ سقیم ہے۔ مثال کے طور پر اقتباس ذیل دیکھیے:

> ان کی پیدائش اندلس کے ایک قصبے مورسیا(۴) میں ماہ رمضان ۵۶۰ھ .... میں ہوئی۔ ۵۶۸ میں وہ اندلس کے ایک اور قصبے سویلے(۵) میں چلے گئے جہاں وہ تقریباً تیس برس رہے۔ ۵۹۰ھ میں انہوں نے تیونس (شمالی افریقہ) کا سفر اختیار کیا اور وہاں سے وہ ۵۹۸ھ میں مشرق کے سفر پر چلے گئے جہاں سے پھر وہ وطن واپس نہیں آئے۔ ۸۹۸ھ میں وہ مکہ مکرمہ پہنچے اس کے بعد وہ بغداد' الپس' موصل اور ایشیائے کوچک گئے۔ ہر جگہ ان کی بڑی پذیرائی ہوئی۔ آخری عمر میں وہ دمشق آ گئے' اور وہیں ۶۳۸ھ میں فوت ہو کر جبل قاسیون کے دامن میں دفن ہوئے۔(۶)

پاکستان سے باہر کی علمی دنیا پر نظر کیجئے تو صورتحال کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ تصوف سے سرسری واقفیت رکھنے والے ہر شخص یا اسلام کی فکری تاریخ کے موضوع سے شغف رکھنے والے ہر اہل علم نے شیخ اکبر کا نام سن رکھا ہے لیکن مستشرقین کی بہت ہی قلیل تعداد ایسی ہے جس نے ان کے تصورات و تعلیمات پر کام کیا ہو۔ اس کی وجوہات کئی ہو سکتی ہیں: ان کی تالیفات کی کثرت و ضخامت' موضوعات کا تنوع یا ان کی اصطلاحات کی رسوائے زمانہ دقت اور غرابت--- اہل علم کی اکثریت البتہ اس امر کو ضرور تسلیم کرتی ہے کہ اپنے زمانہ تحریر سے لے کر آج تک شیخ اکبر کی تعلیمات کا اثر و نفوذ ہر سطح پر غیر معمولی رہا ہے اور اسلام کی عقلی اور روحانی تعلیمات کا بیان' دقائق و معارف سے لے کر عوامی اظہار عقیدت تک' ان کا مرہون منت رہا ہے۔

ان کے سوانح کے لئے مغرب کی علمی دنیا میں اب تک تین بنیادی ماخذ رہے ہیں۔ پہلا ماخذ آسین پلاسیوس کی ہسپانوی کتاب El Islam cristianizido(۷) ہے۔ دوسرے اور تیسرے نمبر پر آں ری کوربیں کی Creative Imagination in the Sufism of Ibn Arabi(۸) اور عمر

آسٹن(۹) کی Sufis of Andalusia کو شمار کیا جاتا ہے۔ اول الذکر تصنیف نے موخر الذکر دونوں تالیفات کو بہت متاثر کیا ہے اور ان کے مولفین نے پروفیسر آسین کے بیانات اور نتائج کو اکثر و بیشتر بلا تحقیق و تفحص قبول کر لیا ہے۔ پروفیسر آسین کی کتاب کا تو عنوان ہی پکار پکار کر کہ رہا ہے کہ مولف کی نیت اور ارادہ کیا ہے(۱۰)۔ رہے آں ری کوربیں تو ان کا تو ہنر ہی یہ ہے کہ وہ اپنے ذاتی خیالات کو مسلم فکر کے اوراق میں تلاش کر لیتے ہیں اور جو پہلے سے سوچ رکھا ہو اس کو مسلم مفکرین کے منہ میں ڈال کر اسلامی فکر میں سے اس کی یافت و باز یافت کرتے رہتے ہیں۔ ان کی یہ مہارت شیخ اکبر کی سوانحی تفاصیل تک میں کار فرما نظر آتی ہے۔ ادھر عمر آسٹن نے اول الذکر دونوں تالیفات میں بیان کردہ ان نکات کا خلاصہ درج کر دیا ہے جو بظاہر یا عمر آسٹن کے خیال میں صورت واقعہ کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔

ان تین کتابوں سے جدید تر اور وقیع تر تالیف ڈاکٹر محسن جہانگیری کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے جو فارسی میں ابن عربی۔ چہرۂ برجستہ عرفان اسلامی(۱۱) کے نام سے شائع ہوا۔ کتاب کا سوانحی حصہ سطور گزشتہ میں مذکور تینوں تالیفات کے مقابلے میں زیادہ مفصل بھی ہے اور صحت سے قریب بھی۔ کتاب اس لئے بھی دوسری کتب سے بہتر ہے کہ مصنف نے شیخ اکبر کی سوانح حیات کے لئے بڑی حد تک خود شیخ کی تصانیف سے استناد کیا ہے اور اس سلسلے میں بالعموم اپنی معلومات فتوحات مکیہ اور روح القدس سے اخذ کی ہیں۔ بایں ہمہ اس تالیف میں بھی کئی طرح کے جھول پائے جاتے تھے اور کچھ سوالات تشنہ جواب اور کچھ واقعات تحقیق طلب باقی رہ گئے تھے۔

کلود عداس(۱۲) کی کتاب کبریت احمر کی تلاش اپنے موضوع پر سابقہ تمام تالیفات سے منفرد بھی ہے اور ممتاز بھی اس لئے کہ یہ ہر اعتبار سے ان سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ مصنفہ نے شیخ اکبر کی ساری مطبوعہ تصانیف کے ساتھ ساتھ مخطوطات کو بھی کھنگالا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس عہد کے معاصر ماخذ اور کچھ صدیاں بعد تک کے تاریخی اور سوانحی مواد کو بھی چھان پھٹک کر دیکھا ہے۔ اب تک شیخ کی سوانح پر جو کچھ لکھا گیا تھا اس میں دستاویزی شہادتوں کی مدد سے معتدبہ اضافہ کیا ہے اور متعدد غلط تصورات کی تصحیح کی ہے۔ شیخ اکبر کی زندگی میں جن افراد کا ذکر ملتا ہے یا جن مقامات کا تذکرہ ہے ان سب پر مصنفہ نے بحث کی ہے اور مفید معلومات پیش کی ہیں۔ یہ معلومات شیخ اکبر کی سوانح سے الگ ہٹ کر بھی ماہرین کے لئے اہمیت کی حامل ہیں کیونکہ ان میں اندلس سے لے کر اناطولیہ تک کے علماء و صوفیاء اور رؤسا و سلاطین میں سے معروف

شخصیات کا تذکرہ شامل ہے۔

شیخ اکبر کے معاصرین میں صوفیاء' ماہرین کلام اور فقہاء کے جو نام ملتے ہیں ان کے بارے میں فراہم کردہ معلومات بالخصوص قابل قدر ہیں۔

سوانح کی ذیل میں شیخ اکبر کی جن تعلیمات و تصورات کا ذکر آیا ہے یا جن نکات کی شرح کی گئی ہے وہ واضح اور سلیس انداز میں درست طور پر بیان ہوئے ہیں۔ ان کا موازنہ اگر آں۔ ری۔ کوربیں کی تحریروں سے کیجئے تو یہ فرق وضاحت سے سامنے آتا ہے کہ عداس کی تحریر میں کہیں بھی وہ پیچ در پیچ فلسفہ طرازی نظر نہیں آتی جو آں ری کوربیں کی تصانیف کی نشانی بن چکی ہے اور جس سے ان کی تحریریں اتنی گنجلک' ایہام و ابہام سے پر اور شیخ اکبر کی تعلیمات کی صحیح نمائندگی سے محروم نظر آتی ہیں۔

کتاب ایک تعارفی مقدمے' دس ابواب اور نتائج پر مشتمل ہے۔ ابواب کی تقسیم شیخ اکبر کی زندگی کے اہم ظاہری و باطنی واقعات کے مطابق رکھی گئی ہے۔ آخر میں سولہ صفحات پر مشتمل پانچ ضمیمے ساری اہم سوانحی معلومات کو تاریخی ترتیب سے جداول اور چارٹوں کی صورت میں قاری کے سامنے لے آتے ہیں جن سے نہ صرف شیخ اکبر کے سفر زیست کا پورا تاریخی منظر نامہ نظر کے سامنے آ جاتا ہے بلکہ دیگر سلاسل اور صوفیاء سے ان کے تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ کتاب کی بنت میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کو پڑھتے ہوئے شیخ اکبر کی زندگی کے واقعات اور ان کی اپنی تعلیمات میں پیش کردہ تعبیر حقائق کا ربط باہم کھلتا چلا جاتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ شیخ اکبر کے ہاں عام مفکرین' کی طرح ارتقائے فکر پایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس تیس برس کی عمر میں آغاز تصنیف سے لے کر آخر عمر تک ان کے تصورات اور ان کی تعلیمات میں کوئی قابل ذکر تبدیلی نہیں آئی البتہ ان کی زندگی کی نہج' ظواہر اور واقعات کی سطح پر' اول و آخر ایک سلسلہ ہائے تجربات روحانی و معنوی سے متعین ہوتی ہے۔ محترمہ عداس صاحبہ نے شیخ اکبر کے ان مشاہدات و وقائع کا ایک واضح اور مستند نقشہ ہمارے لئے اپنی کتاب میں مہارت اور کامیابی سے پیش کر دیا ہے۔ ابو العلاء عفیفی کی کتاب محی الدین ابن عربی کا سری فلسفہ (انگریزی) اور ایزوٹسو کی تصوف اور تاؤ مت جیسی کتابیں اور ان سے اخذ کردہ ثانوی مصادر کی اکثریت اپنے قارئین پر یہ تاثر چھوڑتی ہے کہ ابن عربی بس ایک فیلسوف مزاج صوفی تھے۔ یہ نکتہ بالعموم نگاہ سے اوجھل ہو جاتا ہے کہ شیخ اکبر کسی بھی عمومی معنی میں "فلسفی" نہیں تھے۔

ان کے قلم سے کسی "نظام فکر" کی تخلیق نہیں ہوئی اگرچہ ان کی تعلیمات ایک معنوی ربط و نظام رکھتی ہیں اور مابعد کے مفکرین کے ہاں جن مباحث نے باقاعدہ منظم شکل میں جنم لیا ان مباحث کے بہت سے آثار، محرکات اور تخم ہائے آغاز کا سراغ شیخ اکبر کی تالیفات میں لگایا جا سکتا ہے۔ شیخ اکبر کی تصانیف تو علوم مکاشفہ کا وہ سیل رواں ہیں جو عالم غیب کی ان دیکھی کائنات کا درباز ہونے اور فہم و ادراک کے غیر معمولی دریچے کھلنے کے نتیجے کے طور پر وجود میں آتا ہے اور انہی فتوح (فتح کی جمع، معنی کھلنا، کھل جانا، وا ہونا) سے شیخ اکبر اس مقام پر فائز ہوتے ہیں جو اہل اللہ اور صاحبان معارف سے خاص ہے۔ غلط العام خیالات کے برعکس یہ مقام کسی مخفی علم یا خفیہ طریقے کے اعمال و اشغال کی مشق کرنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ شیخ اکبر کے اپنے الفاظ میں یہ فتوح اور یہ فوق العادت فہم و بصیرت صرف اور صرف قرآن و حدیث پر تدبر، تقویٰ کی رعایت اور کثرت عبادت سے عنایت خداوندی کے طور پر حاصل ہو سکتا ہے۔

ابن عربی کی تصانیف میں لغت اور فقہ سے لے کر کونیات و مابعد الطبیعیات تک کے جملہ اسلامی علوم پر اتنا فکر انگیز اور دقیق و عمیق تدبر کیوں ملتا ہے؟ اس سوال کا جواب ان کی سوانح حیات پر ایک عالمانہ تصنیف کو فراہم کرنا چاہیے۔ شیخ اکبر کے مکتب فکر کے نقطۂ نظر کے مطابق اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی تالیفات کا منبع فیضان وہی منابع ہیں جن سے یہ مذکورہ علوم کسب فیض کرتے ہیں۔ عالم خیال (خیالی دنیا نہیں) میں اللہ کے نبیوں اور ولیوں کی حقیقت روحانی کے محل ظہور یا مظاہر روحانی سے رابطہ میسر ہوتا ہے۔ عالمِ خیالِ منفصل سے یہ رابطہ ابن عربی کی تمام تالیفات کی بنیاد میں کار فرما ہے۔ مصنفہ کے والد نے اپنی معرکہ الاراء کتاب خاتم الاولیاء میں یہ بتایا ہے کہ شیخ اکبر کی تعلیمات انسانی تاریخ میں منصب ولایت کے اس ذاتی تجربے سے براہ راست متعلق ہیں جو ان کو حاصل ہوا تھا۔ محترمہ عداس صاحبہ کی کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ انہوں نے شیخ کی سوانح حیات کی تفاصیل کو ان کی تعلیمات و تصورات سے جوڑ کر اس دعویٰ کی حتمی تصدیق فراہم کر دی ہے جو ان کے والد نے مذکورہ بالا کتاب میں کیا تھا اور جس کی طرف ہم نے آغاز تحریر میں اشارہ کیا تھا۔

بارہویں/ تیرہویں صدی ہجری کے عہد کے تصوف کے بارے میں یہ کتاب ایک اہم حوالے کی کتاب ہے نیز شیخ اکبر اور ان کے مکتب فکر کے مطالعے اور تحقیق کے لئے یہ کتاب ایک ناگزیر دستاویز ہے جس کے بغیر اب اس موضوع پر کوئی تصنیف معتبر نہیں کہی جا سکتی۔ یہی

نہیں اس سے عثمان یحییٰ کی جامع تصنیف میں در آنے والے چند تسامحات کی تصحیح بھی ہوتی ہے۔ کتاب کا طرز تحریر بھی بہت رواں اور پر لطف ہے اور قاری کو آخر تک اپنی گرفت میں لئے رکھتا ہے تاوقتیکہ پڑھنے والا اس عظیم روحانی سفرنامے کے اختتام پر اپنے آپ کو ششدر اور مبہوت کھڑا پاتا ہے۔ وہ سفرنامہ جس کی تفاصیل، احوال اور عرفانی حاصلات مذاہب عالم کی تاریخ میں عدیم المثال شمار کیے جا سکتے ہیں۔

حواشی

۱۔ کتاب فرانسیسی زبان میں لکھی گئی۔ Ibn 'Arabi, ou la quête du soufre rouge کے عنوان کے تحت پیرس کے ادارے Éditions Gallimard کی طرف سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کا انگریزی ترجمہ ۔۔ت سے اضافوں اور تراجم کے بعد ۱۹۹۳ء میں Peter Kingsley کے قلم سے ہوا ہے۔ تفاصیل درج ذیل ہیں۔

Claude Addas, Quest for the Red Sulphur, The life of Ibn 'Arabi, The Islamic Texts Society, 5 Green Street, Cambridge, CB2 3JU, U.K, 1993, pp.XIII + 347, ISBN O 946621.45 4

۲۔ ڈاکٹر ملک حسن اختر، اقبال اور مسلم مفکرین، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۹۲ء

۳۔ ایضاً۔ ص ۱۱

۴۔ مراد ہے مرسیہ۔ Murcia

۵۔ مراد ہے اشبیلیہ۔ Seville

۶۔ الف۔ د۔ نسیم، اقبال اور مسئلہ وحدت الوجود، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۵۳۔

۷۔ M.Asin Palacios, El Islam Cristianizido, Madrid, 1931.

۸۔ Henry Corbin, Creative Imagination in the Sufism of Ibn 'Arabi (tr.R. Manheim) Princeton University Press, 1969

۹۔ Ralph Austin (tr) Sufis of Andalusia, Sahail Academy, Lahore,

۱۰۔ کتاب کے عنوان کا ترجمہ اردو میں "مسیحی اسلام" کے الفاظ سے کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے دیگر مقامات پر اشارہ کیا ہے، پروفیسر آسین کا بنیادی فکری مقدمہ یہ ہے کہ اسلامی تہذیب، اسلام کے روحانی کمالات اور مسلم تاریخ فکر کے تمام قابل قدر عناصر وہ ہیں جو یا تو مسیحیت سے براہ راست مستعار ہیں یا [illegible] سمجھے ہیں۔ پروفیسر صاحب مستشرقین کے [illegible] رکھتے ہیں جو

اپنے مطالعے اور تحقیقات کی روشنی میں اسلام کی عظیم الشان فکری اور روحانی میراث کا انکار کرنے کی ہمت تو نہیں رکھتا تاہم اپنی مرعوبیت اور اعتراف عظمت کے احساس کو اس طرح کے حیلے بہانے سے چھپانے اور اسلامی تہذیب کو ایک ثانوی درجے کا سامی مظہر ثابت کرنے کی سعی ضرور کرتا ہے۔ پروفیسر آسین کے بارے میں مزید معلومات اور تبصرے کے لئے دیکھئے ہمارے مقالات "ابن عربی اور اقبال" (زیر طبع) "ابن مسرۃ ایک حقیقت کئی فسانے" (زیر طبع)۔

۱۱۔ ڈاکٹر محسن جہانگیری، ابن عربی۔ چہرۂ برجستہ عرفان اسلامی، دانشگاہ تہران، ۱۴۰۰ھ۔ اردو ترجمہ محمد سہیل عمر۔ احمد جاوید (مترجمین) محی الدین ابن عربی۔ حیات و آثار، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۹ء۔

۱۲۔ مصنفہ فرانسیسی نژاد مسلمان ہیں۔ ان کا سارا خاندان (والد، بھائی) شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تصانیف کے ترجمے، شرح اور مطالعات کے لئے معروف ہے۔ ان کے بھائی نے سور بون یونیورسٹی پیرس سے پی ایچ ڈی، ایک ایسے موضوع پر کی جو ہمارے مذہبی حلقوں میں صدیوں سے موردِ نزاع رہا ہے یعنی ابن تیمیہ کے اعتراضات بر تصوف کا جائزہ۔ ان کے والد فتوحات مکیہ کے بعض حصوں کے کامیاب مترجم بھی ہیں اور شیخ اکبر کے تصورات و تالیفات پر بہت سے نہایت وقیع اور اہم مقالات کے مصنف بھی۔ دو کتابیں بھی ان کے قلم سے شیخ اکبر کی تعلیمات کے بارے میں سامنے آ چکی ہیں۔ پہلی کتاب شیخ کے تصور ولایت پر ہے بعنوان ہے خاتم الاولیاء دوسری کتاب بحر ناپیدا کنار شیخ اکبر کی تعلیمات اور روحانی تجربات کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھ کر ان کی اساسی مطابقت کی تائید کرتی ہے۔ اول الذکر کتاب کا انگریزی ترجمہ اسی ادارے کی طرف سے حال ہی میں چھپا ہے جس نے زیر تبصرہ کتاب شائع کی ہے۔ بحر ناپیدا کنار (اصل فرانسیسی) کا انگریزی ترجمہ امریکہ سے، نیو یارک یونیورسٹی پریس کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ مصنفہ کی تحریر اور بعض دیگر قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خاندان کا تعلق مصطفیٰ عبدالعزیز (میشل والساں) مرحوم کے طائفہ علمی سے ہے۔

***

IqbalCyberLibrary.Net

Kulliyat-i-Iqbal (Urdu/Persian)
(Complete Poetical Works of Iqbal)

Based on a fresh research into the hitherto unexplored original manuscripts and first editions of Iqbal's poetical works, this is the most authentic and reliable text ever prepared in the history of Iqbal Studies. Produced in two separate volumes (Urdu/Persian) the text is written by two of the greatest living masters of *nasta'liq* calligraphy from Iran and Pakistan. Illuminated margins, fine quality paper and durable binding. Available in three different editions: Super deluxe, deluxe and ordinary.

کتاب : فاعلات۔ اردو کے لیے عروض کا نیا نظام
مصنف : محمد یعقوب آسی
سنہ اشاعت : ۱۹۹۳ء
ناشر : دوست ایسوسی ایٹس' لاہور
صفحات : ۱۲۰
قیمت : /۸۰ روپے
مبصر : احمد جاوید

کوئی تہذیب اگر اپنی بنیادی ہیئت پر برقرار ہو تو اس میں ایک نظام توازن ضرور کارفرما ہوتا ہے جو اس کے تمام اوضاع کو ان تصورات حقیقت سے ہم آہنگ رکھتا ہے' جن کی Actualization تہذیبی ارتقا کا واحد پیمانہ ہے۔ تہذیبوں کی تشکیل کرنے والا ہر تصور اپنی زندہ اور موثر موجودگی کے لیے چند عمومی ضابطوں کا متقاضی ہوتا ہے تاکہ اس تصور کی تمام نسبتیں قطعیت کے ساتھ واضح اور متعین رہیں۔ اس طرح انحراف کی رو کو چلنے سے روکا جاسکتا ہے اور حقیقت کی طرف تہذیبی یکسوئی برقرار رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عقلی علوم ہوں یا فنون لطیفہ' ہر علم اور ہر فن کچھ اصول و ضوابط کا حامل ہوتا ہے جو اس کے امتیاز اور حدود کا تعین کرنے کے ساتھ ساتھ اس نقطۂ وحدت کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں جو دائرہ تہذیب کا مستقل مرکز ہے اور جس کا اثبات انسان کی تمام سرگرمیوں کو ان کے ظاہری اختلافات اور امتیازات کے باوجود ایک ہی ہدف پر جمع رکھتا ہے۔ جس توازن کا ذکر ہو رہا ہے گو کہ وہ اپنی اصل میں مابعدالطبیعی ہے' مگر فی الوقت ہمیں اس کی اسی سطح تک محدود رہنا ہے جہاں انسان ایک فعال عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ معنی و اظہار کی سطح ہے جو انسانی موجودیت کے تمام مراتب کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ یہ ناہموار ہو جائے تو انسانیت غیر متوازن ہو جاتی ہے۔

دیگر روایتوں کی طرح تخلیقی روایات بھی—— جن کے ذریعے ہر تہذیب اپنے تصور جمال کا اظہار کرتی ہے—— اسی سطح سے پھوٹتی ہیں۔ رومی اور بیدل کو پڑھنے والے جانتے ہیں کہ

محض معنی اور محض اظہار کوئی چیز نہیں۔ معنی' اظہار کی مستقل حقیقت ہے اور اظہار' معنی کی حرکی معنویت۔ اس اعتبار سے دونوں ایک ہیں' تاہم Discipline کی تبدیلی سے ان کے ایک ہونے کا مطلب مختلف ہو جاتا ہے—— زیر تبصرہ کتاب چونکہ شعریات کے ایک شعبے سے متعلق ہے' لہٰذا ہم ادھر ادھر کی تفصیل میں جانے کی بجائے اپنی توجہ انہی باتوں پر مرکوز رکھیں گے جن کا تعلق شاعری کی تیکنیکی جہات' بالخصوص' عروض سے ہو۔

ہماری شعریات میں معنی و اظہار کی یکجائی کو ایک اصطلاح میں بیان کیا جاتا ہے : حسن اظہار۔ شعری معائب و محاسن کو جانچنے کا یہی معیار ہے۔ شاعری میں معانی کا داخلی نظام مراتب نہیں بلکہ اظہار کا حسن و کمال مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ یعنی کسی شعری متن کے مقام کا تعین 'کیا کہا گیا ہے' کے حوالے سے نہیں ہوتا۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ جو کہا گیا ہے کیسے کہا گیا ہے۔ حسن اظہار کی کئی سطحیں ہیں—— معنوی' تصویری اور صوتی۔ ان میں سے کوئی ایک باقی دو کو منہا کر کے وجود میں نہیں آتی' البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ مثلاً معنوی جہت غالب ہو اور صوری و صوتی' مغلوب ۔ ان تینوں سطحوں پر حسن و قبح اور نقص و کمال کا تعین کرنے اور انہیں ایک دوسرے سے ممتاز رکھنے کے لیے کئی ذیلی علوم و فنون ایجاد ہوئے جن کی مجموعی کاوشوں سے بالآخر ایسے ضابطوں کا قیام عمل میں آیا جو تہذیب کی تہہ میں کارفرما تصور جمال سے سازگاری کا ایک ٹھوس معیار پیش کرتے ہیں۔ یہ معیار جو دراصل ذوق اور تکنیک کا امتزاج ہوتا ہے' اچھی اور بری شاعری کے درمیان خط فاصل کا کام دیتا ہے۔ اچھی شاعری اپنے تخلیقی پھیلاؤ کی وجہ سے اس کے تیکنیکی حدود میں توسیع کرتی ہے جبکہ بری شاعری اس کے مطالبات کا سامنا کرنے کی سکت سے محروم ہوتی ہے۔ عروض بھی ایسا ہی ایک علم ہے جو شعر کو ٹھیٹھ صوتی اکائی قرار دے کر اس کا ریاضیاتی تجزیہ کرتا ہے اور اس سے برآمد ہونے والے اجزاء کے سکون و حرکت اور ان کے تال میل کو دریافت کرتا ہے۔ زبان' ایک لحاظ سے' آواز کی تجسیم ہے۔ شاعری کے دائرے میں "عروض" اسی عمل کی باز آفرینی کا نام ہے۔ غیر تخلیقی اور میکانکی ہونے کے باوجود یہ آوازوں کو ان کی سادہ حالت میں گرفت میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔

کسی کلام کی موزونی یا ناموزونی کا ذوقی ادراک ہی کافی نہیں۔ ایسا ہوتا تو شاعری کا صوتی تنوع ظہور میں نہ آتا۔ عروض نے اس ذوقی شعور کو چند در چند تیکنیکی تفصیلات اور باریکیوں سے روشناس کر کے آواز کے مقداری سانچے وضع کیے جن کی مدد سے ایک طرف تو موجود صوتی توازن کو بالکل معروضی اور Clinical انداز میں دریافت کرنا ممکن ہوگیا' اور دوسری جانب انہیں

طرح طرح کی ترکیب دے کر اس توازن کی بے شمار صورتوں تک پہنچنے کا دروازہ بھی کھل گیا۔ یہ الگ بات کہ ہمارا بہترین تخلیقی جوہر عروض سے لاتعلق رہا جس کی وجہ سے اس کے فراہم کردہ امکانات بروئے کار نہ آسکے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تہذیبی زوال کی وجہ سے پیدا ہونے والی انفرادیت پرستی نے جہاں وحدت اور کلیت کے دیگر مظاہر کا انکار کیا' وہیں تخلیق اور تکنیک کی مرکب اکائی کو بھی دولخت کرکے رکھ دیا۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اردو' فارسی شعریات کی پوری تاریخ میں ایسا وقت کبھی نہیں آیا کہ عروض ایسے علوم کو شعرگوئی کے لیے لازمی سمجھا گیا ہو' لیکن شعر کی صوتی صحت کے پیمانے کی حیثیت سے عروض کی ضرورت کو کبھی نظرانداز بھی نہیں کیا گیا۔ تخلیقی روایت رو بکمال ہو تو اس میں ایک "پوراپن" پایا جاتا ہے۔ جس میں اس کے ثانوی عناصر بھی شریک ہوتے ہیں۔ شعری کمال بھی فقط ان حصوں تک محدود نہیں ہوتا جو شاعری میں مرکزی اہمیت رکھتے ہیں بلکہ اس کی چھوٹ ان اجزاء پر بھی پڑتی ہے جو نسبتاً کم اہم ہوتے ہیں مگر ان کے بغیر شاعری کا ترکیبی "کل" ناقص رہ جاتا ہے۔

حقائق کی معروضی نسبتیں کمزور پڑ جائیں تو آدمی قواعد و ضوابط سے بھاگنے لگتا ہے اور کسی عمومیت (Universality) کو قبول نہیں کرتا۔ ہمارے عہد پر یہ اصول پوری طرح منطبق ہوتا ہے۔ اس صورت حال میں عروض ایسے قانونی علم کو تحقیق کا موضوع بنانا خاصی جرات کا کام ہے۔ آسی صاحب یقیناً جانتے ہوں گے کہ ہماری موجودہ شعری فضا میں عروض کے لیے کوئی جگہ نہیں رہی' اور آئندہ بھی اس کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ یہ کتاب بظاہر کوئی خاص عملی افادیت نہیں رکھتی' لیکن یہ نقص اس کتاب کا نہیں بلکہ اس صورت حال کا ہے جس میں اس طرح کی کاوشیں بے اثر ہو کر رہ گئی ہیں۔ ذاتی طور پر میرے لیے یہ کتاب اس لیے بھی کشش رکھتی ہے کہ اس میں تہذیبی پیش رفت کے اس اصول کا ادراک نظر آتا ہے کہ تہذیب کو سکڑنے اور مرجھانے سے روکنے کے لیے اس کے متروک محاسن کی بازیافت اور انہیں ایک نیا پیرایہ اظہار دینا ضروری ہے—— آسی صاحب نے ایک خاص دائرے میں یہی کام کیا ہے' اور خاصی کامیابی کے ساتھ کیا ہے۔ کمپیوٹر کی ایجاد اور زندگی کے اکثر شعبوں میں اس کے نفوذ کے بعد سے انسانی ذہن کی فعلیت میں بھی کچھ بنیادی تبدیلیاں آگئی ہیں۔ اب تکنیکی ادراک کا بنیادی وسیلہ لفظ نہیں رہا بلکہ ذہن' ہندسی اور عددی ادراک سے مانوس ہو چلا ہے۔ سائنسی طریق ادراک اسی کو کہتے ہیں جس کی رو سے عدد اور ہندسے کے حدود لفظ سے زیادہ وسعت رکھتے ہیں۔ یہ بہت خوفناک بات ہے مگر جب اشیاء محض مقداری جہت سے قابل ادراک ہوں تو یہی کچھ ہوگا۔ آسی

صاحب' خدا کا شکر ہے' اس سمت میں نہیں گئے۔ انہوں نے تقطیع اور تعین بحور کے روایتی نظام میں کوئی بڑی تبدیلی کیے بغیر اسے ایک شماری طریقے سے متعارف کروانے کی کوشش ہے جو قیاس ہے کہ آگے چل کر حافظے کی بدلتی ہوئی عادتوں سے مناسبت پیدا کر لے گا اور ذہن اسے محفوظ رکھنے پر زیادہ قادر ہو جائے گا۔

عروض کے دائرے میں یہ کام بلاشبہہ ایک نئی جہت کھولتا ہے اور اجتہاد کا درجہ رکھتا ہے۔ اس اجتہاد کی ضرورت و اہمیت کو جناب اختر شاد نے بڑی خوبی اور جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے

"یہ کتاب خالص اردو عروض کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ اس میں پہلے سے مروجہ عروض کے ۳۵ دقیق اور پیچیدہ زحافات کی تعداد سمٹ کر ۱۵ ہو جاتی ہے۔ یہ پندرہ بھی' تصرفات کی قسمیں ہیں اور مصنف نے ان کو اس طرح اسم بامسمی کر دیا ہے کہ قاری کو ان کی نوعیت سمجھنے میں ذرا دشواری نہیں ہوتی—— اس سے پہلے یہ ہوتا آ رہا ہے کہ کسی نظم یا شعر کی بحر کا ایک نام پکارا جاتا ہے جو عربی الفاظ کا ایک طویل مرکب ہوتا ہے اور زحافات کی موجودگی میں اتنا طویل ہو جاتا ہے کہ اس کا نام یاد رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ پھر ایک دائرے کی کئی بحروں کے ناموں کا بڑا حصہ مماثل ہونے کی وجہ سے قاری کو الجھن ہوتی ہے۔ یعقوب آسی نے اس مسئلے کا مستقل حل یہ نکالا ہے کہ اردو عروض کا شماری نظام متعارف کراتے ہوئے تمام سالم یا مزاحف بحروں کو الگ الگ ریاضیاتی نمبر دے دیے ہیں۔ اس طرح ہر دائرے کی ہر بحر اپنے انفرادی نمبر سے پہچانی جائے گی..... اس نظام میں ایک خاص ترتیب ہے جسے ایک بار سمجھ لینے اور یاد کر لینے کے بعد آپ بحر کا شمار یہ دیکھتے ہی' دائرے کا نمبر' اس کے رکن کا نام اور تصرف کی نوعیت بتا سکتے ہیں..... اس نظام کے علاوہ مصنف نے ایک قابل قدر اضافہ یہ کیا ہے کہ پانچ عربی اور دو عجمی مروجہ عروضی دائروں کو ناکافی سمجھتے ہوئے' اردو عروض کے تقاضوں کے پیش نظر' مثمن بحروں کے دو نئے دائرے' دائرہ موتودہ اور دائرہ قاطعہ تخلیق کیے ہیں۔ اس طرح کل نو عروضی دائرے بن جاتے ہیں جو اب تک کی اردو شاعری میں مستعمل تقریباً تمام بحروں اور ارکان کا (جن میں رباعی اور آزاد نظم کی بحریں اور ارکان بھی شامل ہیں) احاطہ کرتے ہیں۔ کتاب میں تقطیع کے ایک دیسی طریقے یعنی خطی طریقہ تقطیع کو اردو الفاظ کے اعرابی نظام سے ہم

آہنگ کر کے بالکل عام فہم انداز میں متعارف کرایا گیا ہے..... اس کے علاوہ مصنف نے کچھ نئی اصطلاحات وضع کی ہیں اور کچھ پرانی اصطلاحات کو نئی معنویت عطا کی ہے۔" (ص ۶-۷)

کتاب کو اٹھارہ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ "اصناف شعر" جس میں اردو میں مروج اصناف شعر کا ایک اجمالی تعارف کروایا گیا ہے' خاصا ابتدائی اور سرسری ہے۔ دوسرا حصہ "علم عروض کیا ہے" مبتدیوں کے لیے مفید ہے اور اچھی طرح لکھا گیا ہے۔ تیسرا حصہ "تقطیع" مبادی تقطیع کا ضروری احاطہ کرتا ہے مگر اس میں ایک آدھ فروگذاشت بھی پائی جاتی ہے۔ فاضل مصنف نے نون غنہ اور واو معدولہ کو حروف شمار کیا ہے جو محل نظر ہے۔ "ن" کا غنہ اور و کا معدولہ ہونا ان حروف کی سلبی حالتوں پر دلالت کرتا ہے جن کے نتیجے میں ان کی وہ حیثیت زائل ہو جاتی ہے جو انہیں مستقل حرف بناتی ہے۔ آسی صاحب' کا یہ ارشاد بھی الجھن پیدا کرتا ہے ۔ "واو معدولہ بعض صورتوں میں مکمل خاموش ہوتا ہے جیسے: خواب' خواہش وغیرہ' اور بعض مقامات پر پیش کے برابر حرکت رکھتا ہے' مثلاً خوش' خود وغیرہ (ص ۲۷) واو معدولہ اپنی ہر صورت میں خاموش ہوتا ہے اور خود کوئی حرکت نہیں رکھتا۔ حرکت اس سے متصل حروف میں ہوتی ہے' مثلاً : خواب' خوش' خویش۔ چوتھا حصہ "اردو عروض کے تقاضے" بعض اختلافی امور کے باوجود بہت عمدگی اور مہارت سے تحریر کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں عروض کے جس نئے نظام کی بنا ڈالی گئی ہے' یہ فصل اس کا نقطہ آغاز ہے۔ اس میں مصنف نے اردو کے صوتیاتی اور لسانی امتیازات کی نشان دہی کی ہے' جن سے ایک جدید نظام عروض کی تشکیل کا جواز فراہم ہوتا ہے۔ پانچواں حصہ "روایتی اور شماری نظام عروض" عروض کے روایتی اور شماری طریقوں کا تقابل ہے جس میں شماری طریقہ وضع کرنے کی ضرورت پر مضبوط استدلال کیا گیا ہے۔ چھٹا حصہ "شماری نظام کا تعارف" اس کتاب کی کلید ہے۔ اس کا لفظ لفظ غور سے پڑھے جانے کے لائق ہے۔ ساتواں حصہ "خطی طریقہ" تقطیع کے ایک عام فہم طریقے کو ذہن نشین کرواتا ہے۔ آٹھواں حصہ "ذاتی بحر اور توازن" ایک نئی اصطلاح "توازن" کی مختلف قسموں کا بیان ہے۔ نواں حصہ "کچھ ضروری وضاحتیں" ان چیزوں کی وضاحت کرتا ہے جنہیں اس شماری نظام کی ترکیب میں بنیادی اجزا کی

حیثیت حاصل ہے۔ دسواں حصہ "عملی تقطیع" روایتی طریقہ تقطیع اور تقطیعی متن میں ضمنی تبدیلیوں کی ضرورت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ گیارہواں حصہ "دوائر خمسہ" عربی عروض کے پانچ بنیادی دائروں اور ان سے اخذ کی جانے والی بحروں کا بیان کرتا ہے اور انہیں شماری نظام میں داخل کر کے دکھاتا ہے۔ بارہویں حصے کا عنوان "اردو میں مروج بحریں" ہے۔ اس میں اردو میں تقریباً تمام متداول بحور کا جائزہ لیا گیا ہے اور انہیں متعلقہ دوائر سے حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے۔ پروفیسر حبیب اللہ غضنفر امروہوی کی پیروی میں بعض بحروں اور ارکان کی نئی صورتیں اور اسماء نقل کیے گئے ہیں۔ تیرہویں حصے "چند خاص بحریں" میں کچھ ایسی بحروں کا مطالعہ کیا گیا ہے جو تیکنیکی اعتبار سے اہم ہیں—— اور اردو کے لیے دو نئے دائرے بھی وضع کیے گئے ہیں۔ چودھواں حصہ "رباعی کے اوزان" رباعی کے لیے مخصوص اوزان کا ایک جداگانہ شمار یہ پیش کرتا ہے۔ پندرھواں حصہ "رعایتیں یا شاعرانہ اختیارات" ان اختیارات کی نشاندہی کرتا ہے جنہیں بروئے کار لاکر شاعر عروضی قواعد میں کچھ لچک پیدا کر سکتا ہے۔ سولھواں حصہ "اضافہ" ان بحروں اور دائروں کا ذکر کرتا ہے جو عجمی علمائے عروض کی ایجاد ہیں۔ سترھواں حصہ "چند مفید باتیں" اردو لسانیات سے متعلق چند ابتدائی مگر مفید معلومات فراہم کرتا ہے۔ "اصطلاحات" اٹھارہواں اور آخری حصہ ہے جس میں ان تمام اصطلاحات کی مختصر تعریف درج ہے جو اس کتاب میں استعمال ہوئی ہیں۔ قاری کی سہولت کے لیے جدولیں بھی بنائی گئی ہیں جن سے متعلقہ مباحث کی عملی تفہیم میں خاصی مدد ملتی ہے۔

اس شماری نظام سے ذوقی مناسبت نہ رکھنے کے باوجود، مجھے، یہ کہنے میں کوئی تکلف نہیں کہ جناب محمد یعقوب آسی کی یہ کوشش عروض کے غضنفری دبستان سے وابستہ ایک صاحب بصیرت محقق کا وہ کارنامہ ہے جسے اس علم کی آئندہ پیش رفت میں نظرانداز کرنے کا خطرہ نہیں مول لیا جاسکتا۔ عروض کے عملی پہلو کو جب بھی کسی نئے تناظر میں دیکھا جائے گا، اس کتاب کی ضرورت پڑے گی۔

***

کتاب	"اقبال دشمنی ـــــ ایک مطالعہ"
مصنف	پروفیسر ایوب صابر
ناشر	جنگ پبلشرز' لاہور
قیمت	۲۰۰/ روپے۔ مجلد۔ سفید کاغذ
مبصر	ڈاکٹر رحیم بخش شاہین

"کچھ لوگ پیدائشی طور پر عظیم ہوتے ہیں۔"
"کچھ لوگ محنت سے عظمت حاصل کرتے ہیں۔"
"کچھ لوگوں پر عظمت لاد دی جاتی ہے" ـــــ شکسپیئر نے عظیم لوگوں کی تین قسمیں بتائی ہیں۔ لیکن اقبال کی عظمت نہ تو پیدائشی تھی اور نہ ان پر لاد دی گئی تھی' بلکہ اس کو انہوں نے محنت اور ریاضت سے حاصل کیا ـــــ انہوں نے ایک عام گھرانے میں آنکھ کھولی' لیکن ترقی کرتے کرتے انتہائی عروج سے ہمکنار ہوگئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا ہر مرحلۂ ارتقا روشن اور واضح ہے ـــــ اقبال کوئی معمولی شاعر اور مفکر نہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے اذہان و قلوب کو بہت وسیع پیانے پر متاثر کیا ہے ـــــ عالم اسلام میں ان کے پائے کی کوئی دوسری شخصیت نظر نہیں آتی ـــــ

یہ اقبال کا دور ہے۔ ان کی ذات علم و ادب کی راہوں میں چراغ کی طرح فروزاں ہے اور متنوع علمی اور ادبی سرگرمیوں کا محرک اور محور ہے ـــــ خصوصاً برصغیر پاک و ہند کے حوالے سے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ عصر حاضر کا شاید ہی کوئی شاعر' ادیب اور دانشور ایسا ہو جو ان سے کسی نہ کسی طرح متاثر نہ ہوا ہو۔ اقبال ہی کی بدولت مشرق میں اعتماد ذات کو فروغ ملا' بیداری پیدا ہوئی اور آزادی و حریت کی تحریکوں کو تقویت ملی۔ انہی کی وساطت سے مشرق میں بہت سے قدیم و جدید علوم سے اعتناء کی روش عام ہوئی۔ اور انہی کے حوالے سے دنیا کے عظیم فلسفیوں' شاعروں اور صوفیوں کے افکار پر بحث ہو رہی ہے۔ گویا اقبال ایک شخص نہیں' ایک ادارے' ایک انجمن اور ایک تحریک کا نام ہے۔

اقبال کے مداحوں کی کبھی کمی نہیں رہی۔۔۔۔ ان کے حین حیات اور بعداز وفات بھی ان کی فکر و شاعری پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری ہے۔ اس اعتبار سے اقبال خوش قسمت ہیں کہ ان کا مطالعہ کرنے' ان کو سمجھنے اور ان پر اظہار خیال کی اہلیت و استعداد سے بہرہ ور لوگ ہمیشہ موجود رہے ہیں۔۔۔۔ بلکہ کئی اہل علم کی وجہ شہرت ان کا مطالعہ اقبال ہے۔ اس پائے کے اقبال شناس لوگوں کی تعداد گو محدود رہی ہے' لیکن ان کی نگارشات اقبال کی عبقریت کی تصدیق و تائید میں بہت موثر اور کامیاب رہی ہیں۔ یہ لوگ صحیح معنوں میں اقبال اور اقبالیاتی ادب کے لیے باعث فخر و ناز ہیں۔ تاہم اقبال کے عقیدت مندوں میں ایسے لوگ بھی بکثرت شامل رہے ہیں جن کے نزدیک اقبال ایک (CULT) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ اقبال کے پرستار ہیں۔ یہ صورت حال جہاں اقبال کی بے پناہ مقبولیت کا ثبوت ہے' وہاں ان کے پیغام کی اشاعت کی راہ میں رکاوٹ بھی ہے۔ اقبال حریت فکر اور روشن ضمیری کے علمبردار ہیں۔ گو ان کے ساتھ جذباتی لگاؤ کی ایک مثبت بنیاد ہے' لیکن انہیں خامیوں اور کوتاہیوں سے مبرا بھی سمجھ لیا جائے' یہ ضروری نہیں۔ شخصیت پرستی اور اندھی تقلید دونوں سطحی جذباتیت کے شاخسانے ہیں۔۔۔۔ جذباتی لگاؤ کو فکر و دانش کی رہنمائی ہی سے مفید اور نتیجہ خیز بنایا جاسکتا ہے۔ جذباتیت کی بنیاد پر حمایت اور مخالفت' دونوں تعصب اور تنگ نظری کو جنم دیتی ہیں۔ اس قسم کا رویہ اقبال کے مخالفین کے ہاں عام طور پر مشہود ہے۔ مخالفین اقبال میں اعتدال فکر و نظر کی مثال شاذو نادر ہی ملتی ہے۔ ان کے نکتہ چیں اکثر و بیشتر گوناگوں تعصبات کا شکار نظر آتے ہیں۔ ان کا کام سراسر منفی ہے۔ یہ لوگ اپنے تعصبات کی بدولت عام لوگوں کے ذہنوں کو طرح طرح کی الجھنوں میں مبتلا کر دیتے ہیں کیونکہ عام قارئین میں ان نکتہ چینوں کے تعصبات کا سراغ لگانے اور اعتراضات کی حقیقت معلوم کرنے کی نہ تو استعداد ہوتی ہے اور نہ ہی انہیں اس کی فرصت ملتی ہے' البتہ تعصب اور تنگ نظری کا جادو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو حقیقت حال تک رسائی کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوتے ہیں' اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ان کی تحریریں ایک ایسے مجلّا اور مصفا آئینے کا کام دیتی ہیں جس میں ایک طرف تو ان نکتہ چینوں کی خامیاں اور کمزوریاں نمایاں ہوتی ہیں اور دوسری طرف اقبال کی عظمت و رفعت اور زیادہ اجاگر ہوتی دکھائی دیتی ہے۔

اقبال کے نکتہ چینوں کے دامن میں بے سروپا اور پست اعتراضات کی بھرمار ہی نہیں' ان کا انداز بیاں اور طرز استدلال بھی شائستگی سے عاری ہے۔۔۔۔ البتہ بعض ناقدین فن' مذہب'

اخلاق اور فلسفے وغیرہ کے حوالے سے خوبصورت اصطلاحات اور منطقی استدلال سے لیس ہوکر اقبال پر سنگ باری کا شوق پورا کرتے ہیں اور بزعم خود اقبال کشی کی سعی کرتے ہیں۔ چونکہ بنیادی طور پر دونوں طرح کے ناقدین تعصب اور تنگ نظری کا شکار ہیں' اس لیے ان کی جراحی ضروری ہے تاکہ سادہ اور معصوم اذہان کو ان کی فساد انگیز یلغار سے محفوظ رکھا جاسکے۔

اقبال کو قدرت نے سلامت طبع اور حق شناسی سے بہرہ ور کیا تھا—— وہ منفی تنقید سے کبھی خائف نہ ہوئے۔ اقبال پر نکتہ چینی کا سلسلہ نیا نہیں۔ اقبال کی زندگی کے ابتدائی دور ہی میں اقبال کے حاسد یہ کام شروع کر چکے تھے' البتہ اس کی نوعیت اقبال کے فکر و فن کے ارتقاء اور احوال زمانہ کی رعایت سے تبدیل ہوتی رہی۔ دوسرے لفظوں میں مخالفین پینترے بدل بدل کر اقبال پر حملہ آور ہوتے رہے۔ مثلاً شروع میں اقبال کی زبان و بیان کو ہدف تنقید بنایا گیا۔ پھر ان کے فلسفہ خودی اور ان کے دیگر عمرانی و دینی افکار کو نشانہ طعن بنایا گیا۔ اقبال اپنی زندگی میں مکتوبات و مقالات کے ذریعے ان اعتراضات کا مدلل جواب دیتے رہے۔ آہستہ آہستہ ان کے احباب اور دیگر حق پسند اہل قلم بھی ان کا ساتھ دینے لگے۔ اقبال خوش قسمت ہیں کہ ان کی وفات کے بعد بھی بعض چوٹی کے اہل دانش و بصیرت ان کی ترجمانی کا فرض ادا کرتے رہے اور اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ مخالفین اقبال کے اعتراضات کی مدلل تردید کرتے رہے۔ اس سلسلے میں خلیفہ عبدالحکیم' ڈاکٹر سید محمد عبداللہ' بشیر احمد ڈار' ڈاکٹر جاوید اقبال' سید نذیر نیازی اور ڈاکٹر عبدالمغنی ایسی معتبر شخصیات شامل ہیں۔ تاہم ایک مدت سے یہ ضرورت محسوس ہوتی رہی ہے کہ اقبال پر ہونے والے اعتراضات اور مطاعن کو یکجا کیا جائے' ان کی قسم بندی کی جائے' اور ہر قسم کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا جائے—— لیکن یہ اندیشہ ہمیشہ دامن گیر رہا کہ مبادا اعتراضات تو اکٹھے ہو جائیں' لیکن ان کی موزوں تردید نہ ہوسکے' نتیجہ یہ ہو کہ اعتراضات زیادہ وزنی تصور ہونے لگیں۔ علاوہ ازیں یہ مسئلہ بھی پریشان کن رہا کہ یہ اعتراضات شاعری پر بھی ہیں' فکر و فلسفہ پر بھی' عقائد و نظریات پر بھی' سیاسی مسلک پر بھی اور شخصی و نجی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بھی—— گویا مختلف شعبوں سے متعلق ان اعتراضات کی تردید کسی ایک شخص کے بس کی بات نہیں۔ لیکن مقام شکر ہے کہ پروفیسر ایوب صابر نے ایک منجھے ہوئے نقاد کی حیثیت سے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور ایم فل اقبالیات کی سند کے لیے "اقبال پر معاندانہ کتب کا جائزہ" کے موضوع پر تحقیقی مقالہ پیش کیا جس کی ترقی یافتہ اور مطبوعہ صورت "اقبال دشمنی —— ایک مطالعہ" اس وقت زیر بحث ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اکثر اعتراضات کے جوابات پہلے بھی دیے گئے تھے' جیساکہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے' لیکن یہ جوابات جزوی نوعیت کے تھے اور منتشر حالت میں تھے۔ پروفیسر ایوب صابر نے جہاں اس کام کو مربوط انداز میں انجام دینے کی کوشش کی ہے' وہاں تحقیق و تنقید کے تقاضوں کا بھی بخوبی لحاظ رکھا ہے۔ اس بنا پر پروفیسر ایوب صابر نے اقبال کے دفاع یا معترضین اقبال کی تردید کو پہلی بار مربوط اور نتیجہ خیز بنانے کی سعی کی ہے۔ اس سلسلے میں اگرچہ انہوں نے صرف چھ کتابوں اور تین کتابچوں کا احاطہ کیا ہے' لیکن ان کے حوالے سے انہوں نے اقبال کی زبان و بیان' افکار اور شخصیت' تینوں پہلوؤں پر ہونے والے اعتراضات کا جائزہ اس طرح لیا ہے کہ بہت سے دیگر معترضین کا جواب بھی فراہم ہوگیا ہے۔ کتاب کا ہر صفحہ ان کی محنت و کاوش کا آئینہ دار ہے' اور وہ اپنی اس تصنیف کے بارے میں بجاطور پر کہہ سکتے ہیں۔ ع

"شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم"۔

کتاب کا حصہ اول محمد امین زبیری کی کتاب "خدوخال اقبال" کے تنقیدی جائزے پر مشتمل ہے۔ انہوں نے زبیری کی تحریروں ہی سے ان کی بدنیتی' کم فہمی بلکہ کج فہمی' سفلہ پن اور تضاد بیانی کو واضح کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ "خدوخال اقبال" لکھنے کا محرک نہ تو قومی و ملی مفاد تھا اور نہ کوئی علمی خدمت' بلکہ مصنف نے برپنائے حسد' نیز شہرت اور رقم کے حصول کے لیے اقبال کے خلاف اعتراضات کی گٹھڑی تیار کی۔ قدرت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ وہ اپنی زندگی میں نہ اس کتاب کی بدولت شہرت حاصل کر سکے اور نہ رقم—— کتاب کے اس پہلے حصے میں "علامہ اقبال اور ان کی پہلی بیوی" نامی کتاب کا ذکر بھی شامل ہے—— یہ کتاب حامد جلالی سے آفتاب اقبال نے لکھوائی' اور اقبال کی شخصیت پر اس میں متعدد پریشان کن اعتراضات ہیں۔ پروفیسر ایوب صابر نے تحقیق کی روشنی میں ان اعتراضات کو رد کر دیا ہے۔

پروفیسر ایوب صابر نے کتاب کے حصہ دوم میں اقبال کے ایک اور نکتہ چیں برکت علی گوشہ نشیں کی جراحی کا فریضہ بھی انجام دیا ہے جو ایک خاص فرقے کے پیروکار ہونے کی بناء پر اقبال کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔ انہوں نے "اقبال کا شاعرانہ زوال" اور چند دیگر کتابچوں کے ذریعے کلام اقبال کی "اصلاح" کی کوشش کی ہے اور اس طرح اپنی تنگ نظری اور تعصب کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے اقبال پر زبان طعن اس لیے دراز کی کہ اقبال' حضرت ابوبکر صدیقؓ ایسی برگزیدہ ہستیوں کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ ان کی "اصلاحیں" دیکھ کر ہنسی بھی آتی ہے اور افسوس بھی ہوتا ہے۔ انتہائی بدذوقی اور تعصب کے مظاہرے کے باوجود انہیں اصرار ہے

کہ ان کی مجوزہ تبدیلیوں' بالفاظ دیگر ان کی تحریفات کو کلام اقبال میں جگہ دی جائے۔

پروفیسر ایوب صابر نے مجنوں گورکھپوری اور صائب عاصمی کے اعتراضوں کا رد بھی پیش کیا ہے۔ دونوں نے اشتراکیت کے زیر اثر اقبال کے اسلامی رجحان کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ مجنوں کے نزدیک اقبال کی حجازیت اور حصول قوت کی تلقین محل اعتراض ہے۔ صائب عاصمی کو پروفیسر ایوب صابر نے خواہ مخواہ اہمیت دی ہے ورنہ اس قسم کے مرفوع القلم لوگوں کو منہ لگانا ثقہ لوگوں کا شیوہ نہیں۔ ایسے ہی لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید میں مسلمانوں کی شان یوں بیان کی گئی ہے : "جب وہ جاہلوں سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ انہیں سلام کہہ کر دامن چھڑا جاتے ہیں۔" اس کا احساس شاید پروفیسر ایوب صابر کو بھی تھا' چنانچہ مجنوں گورکھپوری کے سلسلے میں جو باب ہے' وہ ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے اور عاصمی کے سلسلے میں باب کے صرف ۹ صفحات ہیں' حالانکہ مجنوں اور عاصمی کی کتابوں کی ضخامت برابر ہے۔ عاصمی کو درخور اعتناء سمجھنے سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ پروفیسر ایوب صابر کی تلاش و جستجو کا دائرہ کتنا وسیع ہے اور ان میں کتنی ہمہ گیری پائی جاتی ہے۔ وہ اس موضوع سے متعلق چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی نظرانداز نہیں کرتے۔ بہرحال' ہمیں توقع کرنی چاہیے کہ وہ دیگر اہم تر نقادان اقبال کو بھی اسی انداز سے زیربحث لائیں گے' جیسا کہ انہوں نے خود بھی ارادہ ظاہر کیا ہے۔

جناب ایوب صابر نے اقبال کے نکتہ چینوں کی لغزشوں کو دلائل و براہین سے واضح کرتے ہوئے ان کی بعض آراء سے اتفاق بھی کیا ہے' اور اس طرح توازن فکر اور صداقت شعاری کا ثبوت دیا ہے۔ انہوں نے کہیں کہیں اقبال کے ناقدین کی نفسیاتی تحلیل و تجزیہ کی کوشش بھی کی ہے' لیکن اس پہلو سے مزید کوشش و کاوش کی ضرورت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ اقبال پر بے سروپا الزامات اور اعتراضات جڑنے کی کوشش کرتے ہیں' ان کے پس منظر میں مخصوص مذہبی' سیاسی اور فکری رویے کارفرما ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ایک شخص اقبال کی شاعری میں مین میخ نکالتا نظر آتا ہے یا اقبال کے سیاسی مسلک پر نکتہ چینی کرتا ہے' جبکہ اقبال سے اس کی پرخاش کا اصل سبب مذہبی مسلک کا اختلاف ہے۔ یہ جاننے کی بھی ضرورت ہے کہ اشتراکی روس' انگلستان اور بھارت کے نقادان اقبال کے نقطہ ہائے اتفاق و اختلاف کیا ہیں—— اقبال کے فکری و نظریاتی پہلو پر نکتہ چینی کرنے والے دانشوروں کی اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ اقبال چونکہ عصر حاضر میں احیائے اسلام کی تحریک کا حدی خواں اور مشعل بردار ہے' قیام پاکستان' اور پھر مشرق کی بیداری میں اقبال کا حصہ بہت نمایاں ہے' اس لیے اقبال کو متنازع بنانے سے ان کی

وقعت کم ہو جائے گی' اور اسلام اور پاکستان سے لوگوں کا ذہنی و قلبی تعلق کمزور ہو جائے گا۔ اس بناء پر اقبال کا دفاع محض ایک شاعر یا مفکر کا دفاع نہیں' عالم اسلام کی آزادی' بقاء اور ترقی کے لیے متحرک قوت کا دفاع ہے۔ لہٰذا میں جناب ایوب صابر کو ان کی تصنیف "اقبال دشمنی ـــــ ایک مطالعہ" کی اشاعت پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس سلسلے میں ان کا اگلا منصوبہ زیادہ جامع اور وسیع تر تناظر کا حامل ہوگا۔

***

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

کتاب : آیات ادب
مرتب : جعفر بلوچ
ناشر : مکتب عالیہ اردو بازار لاہور
مبصر : محمد اصغر نیازی

گورنمنٹ کالج آف سائنس لاہور کے اردو ادب کے استاد، معروف شاعر اور نقاد جناب جعفر بلوچ اس بار اپنے قارئین کے لیے اپنے شہر "لیہ" اور اس کے جڑواں شہر "مظفر گڑھ" کے اکابر علم و ادب پر مشتمل ایک جامع تعارفی تذکرہ لے کر آئے ہیں، چونکہ وہ خود ایک شاعر ہیں، اس لیے جسے بھی وہ اپنی کتاب میں لائے ہیں، اسے اس کی شاعری کے حوالے سے لائے ہیں۔ ان کی کتاب "آیات ادب" پڑھتے ہوئے "گویا دبستان کھل گیا۔" سب سے پہلے تو اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ لیہ اور مظفر گڑھ جیسے چھوٹے سے خطے میں اس قدر قد آور شاعر اور بے اندازہ پڑھے لکھے لوگ کیسے سما گئے ـــــ بلکہ چھوٹی سی اس کتاب کو پڑھ کر فارسی کی اس حکایت پر یقین آ گیا ہے کہ "دو سلطان دو اقلیمے نمی گنجند ولے دہ درویش دریک گلیم می گنجند" اور مجھے تو خطہ لیہ و مظفر گڑھ "گلیم درویش نہیں دل درویش کی طرح لگتا ہے جس میں کئی دنیائیں سما جائیں۔"

پروفیسر جعفر بلوچ نے اس کتاب کے ذریعے ایسے باکمال لوگوں سے ہمیں متعارف کرایا ہے، کہ قاری بے اختیار پکار اٹھتا ہے ع

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

بلکہ اتنی چنگاریاں کہ مایوسیوں کے جنگل کے جنگل خاکستر کر دیں۔ علم و ادب میں قحط الرجال کا رونا رونے والے اک ذرا اپنے دیس کی بستیوں میں گھوم پھر کر دیکھتے تو ان کا یہ احساس جانکاہ احساس جانفزا میں بدل جاتا۔ نمونے کے طور پر "آیات ادب" ہی کا مطالعہ فرما لیجئے متن میں جناب جعفر بلوچ نے لکھا ہے کہ زندہ قومیں اپنے علمی و ادبی ورثے کو ضائع ہونے دیتی ہیں نہ اپنے ہاں کے کسی جوہر قابل کو خاک میں ملنے دیتی ہیں۔ انہوں نے اپنے جیسے چند مشکل

پسند محققوں مثلاً ماجد قریشی، اشرف قدسی، خاطر غزنوی، محسن احسان، تاج سعید، ڈاکٹر طاہر تونسوی، ڈاکٹر اجمل نیازی، حکمت ادیب اور بشیر سیفی کی طرح اپنے آبائی گھر لیے اور گردو نواح کے گھروں مثلاً مظفر گڑھ کے ایسے سارے ممتاز شعراء کے حالات اور انتخاب کلام "آیات ادب" کے گلدستے میں سجا کر پیش کیے ہیں جنہوں نے فارسی، اردو اور عربی میں داد سخن دی ہے۔

بقول مرتب اس ادبی منطقے نے برعظیم کی ادبی تاریخ میں نمایاں اور قابل ذکر کردار ادا کیا ہے۔ ادبی مراکز سے دور ہونے کے باوجود یہاں کے تخلیقی جواہر ریزے کیفیت اور کمیت، دونوں پہلوؤں سے قابل اعتناء ہیں۔ بلکہ مجھے یہ کہنے دیجئے کہ جو انہیں درخور اعتناء نہ سمجھے، وہ آپ بے بہرۂ علم و ادب ہے۔ "آیات ادب" کا فلیپ ممتاز دانش ور پروفیسر محمد منور نے تحریر کیا ہے۔ انہوں نے مختصر لیکن جامع الفاظ میں کتاب کی معنویت کو اس طرح اجاگر کیا ہے کہ بے اختیار ساری کتاب پڑھ جانے کو جی چاہتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"جعفر صاحب کی یہ گراں قدر تصنیف علمی مراکز سے دور افتادہ دیگر علاقوں کے اہل قلم کو بھی شوق دلائے گی کہ وہ بھی اپنے اپنے علاقوں کے ادبی اکابر کے تذکرے مرتب کریں اور اس طرح اپنی انفرادی اور اجتماعی عمر کی درازی کا اہتمام فرمائیں۔"

حکایت قد آں یار دلنواز کنیم
باین بہانہ مگر عمر خود دراز کنیم

جعفر بلوچ نے جو ایک خوبصورت شاعر بھی ہیں، "تھامس گرے" کے اشعار کے منظوم ترجمے سے اپنی کتاب کے سر متن کا آغاز کیا ہے۔

ہیں سمندر کی تہوں میں ایسے کتنے ہی گہر
جن کی منظر تابیوں کو جانتا کوئی نہیں
ایسی کتنی ہی بہاریں آئی ہیں صحراؤں میں
جن کے حسن رنگ و بو سے آشنا کوئی نہیں

یہ ہماری علمی بے حسی کا نوحہ ہے جس کا احساس تو شاید ہر درد مند پڑھے لکھے کو ہو لیکن اس احساس کو عمل کا جامہ پہنانے والے یقیناً بہت ہی کم ہیں۔ کون ہے جو جعفر بلوچ کی طرح کسی علاقے کے ان دیکھے اور ان پرکھے ادبی ہیروں اور موتیوں کو اس شان سے سامنے لائے کہ ان کے ادبی کام، مقام اور علمی جلالت کی تجلیات ہماری آنکھوں کو خیرہ کر دیں۔

"آیات ادب" میں علم و ادب کی کئی نئی دنیائیں دریافت ہوئی ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت بہاء

الدین زکریا ملتانیؒ کے ذکر خیر سے کتاب کا آغاز کرنے سے علم و ادب کی برکتوں میں دین و عقبیٰ کا فیضان بھی شامل ہوگیا۔ ان کی کیمیا نظری کے ساتھ ان کا علمی مرتبہ کس قدر بلند ہے' اس کو پا جانے کے لیے فخرالدین عراقی کا ایک شعر کافی ہے ۔

پرسی اگر ازجہاں کیست امام زماں
نشنوی از آسماں جز زکریا جواب

اسی طرح ایک اور یگانہ روزگار شخصیت حضرت مولانا عبدالعزیز پرہیاروی ہیں۔ بقول مرتب "حدیث' فقہ' ہیئت' طب' شعر و ادب اور دیگر علوم میں ان کے مکاشفات ہماری تاریخ علم و ادب کا گراں بہا علمی سرمایہ ہیں۔ ان کا نام اور کام برعظیم سے باہر بھی متعارف اور مقبول ہے۔ لیکن اس المیے کو کیا نام دیں کہ پاکستان کے علمی حلقے اس شخصیت سے ناواقف ہیں' الاماشاء اللہ ! علامہ پرہیاروی کی صرف عربی تصانیف ہی کی فہرست اس قدر طویل ہے کہ ان کے مطالعے اور ان پر غور و فکر کے لیے اک عمر چاہیے۔ ڈاکٹر لاشر' سید مناظر احسن اور علامہ اقبال جیسے اکابر حضرت علامہ عبدالعزیز پرہیاروی کے مداح اور حقد تھے اور حیرت یہ ہے کہ اس باکمال اور کرشمہ ساز شخصیت نے زندگی کی صرف تینتیس بہاریں دیکھیں اور اپنی لافانی کتابوں کی شکل میں اہل علم کو کتنی ہی بہاریں دے کر اس جہاں فانی کو خیرباد کہہ گئے۔"

سچ جانئے تو صرف اتنا کچھ ہی جاننے کے بعد مجھے مولانا یکے از "آیات ادب" ہی نہیں' آیت من آیات اللہ بھی لگے۔ لیکن مجھے ایک بار پھر وہی رونا رونے دیجئے ـــــ اسے ہماری قومی بے حسی اور علمی و تہذیبی بدقسمتی سے سوا کیا نام دیا جاسکتا ہے کہ ایسے ایسے تابندہ تر گہر اپنی ضیا پاشیوں کے تعارف کے لیے منتظر فردا ہیں۔ کاش احساس زیاں بیدار ہو جاتا اور ہم آج کا کام کل پر نہ اٹھا رکھتے۔ دیکھئے' ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان کی نظر اس طرف کب اٹھتی ہے!

یہ تو ایک مثال تھی' مشتے از خروارے' ورنہ قارئین کے لیے "آیات ادب" کے دو سو چالیس صفحات میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جو ہماری خوشگوار حیرتوں کو دو چند کرنے کا سامان رکھتی ہیں۔

راجہ محمد عبداللہ ہماری قومی اور ملی شاعری میں ایک ممتاز نام ہیں۔ میں تو ان کے بارے میں ان کے ہم عصر اساطین ادب کی آراء پڑھ کر پریشان ہوگیا۔ کشفی ملتانی ہماری اردو غزل کی آبرو ہیں۔ ان کے علاوہ جلال میرزا فانی "دوہے" میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔

مہر عبدالحق' غافل کرنالی' نسیم لیہ' خیال امروہوی' شعیب جاذب ـــــ خود جعفر بلوچ اور

ایسے ہی کئی اور نام اس کتاب میں ایسے ہیں جن کی شخصیت اور شاعری سے پاکستان کے پڑھنے لکھنے والے بخوبی واقف ہوں گے۔ بلکہ بہت سے تو ان میں سے بہت سوں کے ماننے والے ہوں گے۔ شاید کچھ ان میں سے کچھ کے چاہنے والے بھی ہوں—— اسی طرح ہماری سیاست کے ایک دانا و بینا بزرگ جناب نوابزادہ نصراللہ خان سے تو سبھی واقف ہوں گے، مگر اس نوابزادہ نصر اللہ خان سے کم لوگ واقف ہوں گے جو ایک خوش ذوق شاعر ہے، اور ناصر تخلص کرتا ہے۔

بہرحال، "آیات ادب" کی معنوی اور صوری خوبیاں بیان سے باہر ہیں۔ ہر صاحب قلم کا پورا تعارف، اس کے علمی و ادبی کارناموں کا تذکرہ اور اس کا منتخب کلام بڑے سلیقے اور قرینے سے پیش کیا گیا ہے۔ تاہم "آیات ادب" کے بعض ابواب میں کہیں کہیں تشنگی کا احساس بھی ہوتا ہے مثلاً حضرت کشفی ملتانی نے خواجہ فریدؒ کی منتخب کافیوں کا منظوم ترجمہ "نغمہ صحرا" کے نام سے کیا تھا، لیکن "آیات ادب" میں کشفی صاحب کے اس ادبی کارنامے کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ آخر میں ایک بار پھر قند مکرر کے طور پر یہ عرض کروں گا کہ اس کتاب نے فارسی اور اردو شاعری کی متعدد ان دیکھی اقالیم کے دروازے ہمارے سامنے وا کر دیے ہیں۔ اب ان میں داخل ہو کر بقدر ذوق و شوق، داد سخن دینا ہمارا کام ہے۔

***

All rights reserved ©2002-2006

---------- مدعا مختلف ہے

ڈاکٹر عشرت حسن انور کے مقالے "فلسفیانہ امتحان کا امتحان"
پر ایک نظر

محمد سہیل عمر

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

آٹھویں صدی ہجری کے مشہور فلسفی متکلم عضدالدین ایجی نے علم کلام کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کی تھی :

علم کلام وہ علم ہے جو عقائد دینیہ کو مستحکم طور پر ثابت کرنے کے لیے دلائل دینے اور شبہات کا ازالہ کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ [1]

دلائل کا انحصار بڑی حد تک ہر عہد کے فکری وسائل پر رہا ہے اور شبہات بھی ہر عہد کے مخصوص فکری مسائل سے جنم لیتے رہے ہیں۔ اس طرح علم کلام کے عنوان کے تحت عمل فرما ثانوی عقلی سرگرمی اور اس کے حاصلات میں ہر عہد کے تقاضے بھی منعکس ہوتے رہے ہیں اور ان کا ردعمل بھی۔ اس کے صدیوں پر پھیلے ہوئے فکری سفر کے دوران میں اسے اسلام کے دیگر مکاتب فکر یعنی اسلامی فلسفہ اور فقہ و تصوف سے بھی تاثیر و تاثر اور عمل اور ردعمل کی منزل سے گزرنا پڑا جس کے نتیجے میں طرفین کے ذخیرہ مباحث میں اضافہ ہوا، نتائج افکار میں تغیر آیا اور نقطہ نظر میں وسعت اور رنگا رنگی پیدا ہوئی۔ [2]

حقائق دین کے اثبات کی غرض سے وجود میں آنے والی یہ عقلی سرگرمی عہد بہ عہد تغیرات سے گزرتے ہوئے جب ہمارے زمانے اور برصغیر کی فکری فضا میں ظہور کرتی ہے تو اس کے قائلین میں یہاں کے حالات کے مطابق اہل علم کے دونوں طبقوں یعنی جدید تعلیم یافتہ اہل قلم اور قدیم مدرسی نظام تعلیم کے فارغ التحصیل علماء شریک نظر آتے ہیں۔ دونوں اپنے دائرہ کار میں اور اپنے اپنے فکری وسائل کے سہارے اپنے عہد کے سوالوں کا سامنا کرتے ہیں اور ان کا جواب فراہم کرتے ہیں۔ [3]

جدید تعلیم یافتہ مفکرین میں عہد حاضر کی سب سے بڑی اور موثر آواز علامہ اقبال ہیں لیکن علامہ کی فکری حیثیت محض جدید کلام کے ایک نمائندے سے کہیں بلند تر ہے۔ ان کا کثیر الجہات شعری اور نثری کارنامہ اپنے حد و وسعت کے اعتبار سے تنگنائے کلام کا اسیر نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم جدید علم کلام کی تشکیل کو ان کے پورے فکری تناظر کا ایک اہم جزو ضرور کہا جا سکتا ہے۔

علامہ کے خطبات یعنی تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ [4] کو تقریباً سبھی ماہرین اقبالیات نے عہد حاضر میں حقائق دین کی سب سے کامیاب اور ہمہ گیر تعبیر نو قرار دیا ہے۔ علامہ اقبال کے زمانے تک آتے آتے، مغرب جدید کی تہذیب سے فکری تصادم کے نتیجے میں، ان کے عہد کے سوالات ایک مخصوص شکل اختیار کر چکے تھے جو بڑی حد تک ان سے پہلے کے ادوار سے مختلف تھی۔ دوسری طرف علامہ اقبال کے فکری وسائل بھی ان سے پہلے دور کے مفکرین کے مقابلے میں وسیع تر اور مکمل تر تھے۔ مغربی تہذیب سے جیسا براہ راست تعارف انہیں حاصل تھا اور مغربی فکر و فلسفہ پر جتنی گہرائی اور گہرائی سے ان کو دسترس حاصل تھی اس سے ان کے پیشرو بہرہ مند نہیں تھے۔

علامہ کے عہد کے فکری مسائل کی مخصوص نوعیت، ان کے مخاطبین کے مخصوص ذہنی تقاضے اور علامہ کا فکری تناظر، یہ سب عناصر مل کر تشکیل جدید کو اس طرح کی دیگر کاوشوں سے ایک الگ اور ممتاز حیثیت میں لے آتے ہیں۔

اس انفرادی حیثیت کے بارے میں یوں تو اس طرح کے بیان بھی ملتے ہیں کہ "علامہ اقبال کے خطبات عصر حاضر کا جدید علم کلام ہیں جس کی ضرورت ارباب فکر و بصیرت عرصہ سے محسوس کر رہے تھے، اس سے انکار ممکن نہیں ہے کہ یہ علم الکلام ہمارے قدیم علم الکلام سے بدرجہا فائق مستحکم اور ایمان و بصیرت کو جلا بخشنے والا ہے۔"[۵] لیکن ایسے بیانات سے قارئین کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ تشکیل جدید کی علمی منہاج میں وہ کون سے عناصر ہیں جن کی وجہ سے اس کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر ظفرالحسن صاحب کا بیان زیادہ رہنما ہے۔[۶] ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں تشکیل جدید کے خطبات پر تبصرہ کرتے ہوئے اولاً تو علامہ اقبال کی اس فکری کاوش کو سرسید احمد خان کے مکتب فکر کے تسلسل میں ایک اہم ضرورت یعنی "ایک جدید علم کلام کی تخلیق" کی کامیاب تکمیل قرار دیا اور پھر سرسید کے اصول تفسیر اور دیگر تحریروں کے حوالے سے یہ بتایا کہ ان کے نزدیک علم کلام کا مقصد یہ تھا کہ دینی حقائق اور فلسفہ و سائنس میں عدم مطابقت نہیں ہے۔[۷] اس مقصد کو حاصل کرنے کے سرسید نے دو طریقے بتائے تھے۔ ڈاکٹر ظفرالحسن نے اگرچہ انہیں عنوان نہیں دیا تھا تاہم سہولت کی خاطر ہم ان کے لیے "اصول تطبیق" اور "اصول تفریق" کے عنوانات قائم کر سکتے ہیں۔

اصول تطبیق یہ ہے کہ "یہ ثابت کیا جائے کہ مذہب جو کہتا ہے وہ حقیقت ہے اور فلسفہ و سائنس اصل میں اس سے متفق ہیں۔ جن مقامات پر اختلاف و تناقض پیدا ہو، وہاں فلسفہ و سائنس کی تردید کی جائے۔"[۸]

اصول تفریق یہ ہے کہ "یہ دکھایا جائے کہ مذہب کی اقلیم فلسفہ و سائنس سے مختلف ہے۔ جہاں جہاں مذہب ان امور پر کلام کرتا ہے جو فلسفہ و سائنس کا موضوع ہیں تو مذہب کا مقصود بیان وہ نہیں ہوتا جو فلسفہ و سائنس کا ہے یعنی وہ فلسفہ و سائنس کی طرح ہمیں یہ نہیں بتانا چاہتا کہ ان اشیاء کی ماہیت کیا ہے؟ اس کا مقصود اخلاقی یا مذہبی نتائج ہیں، یا وہ ہدایت جو ان سے حاصل کی جا سکتی ہے۔"[۹] اس کے بعد ڈاکٹر ظفرالحسن صاحب نے اپنا اولین تاثر یوں درج کیا ہے۔

ابتدا میں چندے میرا خیال یہ رہا کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال دوسرا طریقہ اپنائیں گے لیکن جلد ہی یہ بات کھل گئی کہ ایسا نہیں ہے ---------- اسلام اور فلسفے کو تطبیق دینے اور ہم آہنگ کرنے کی جو غیر معمولی لیاقت ان کو حاصل ہے اس نے ان کو آمادہ کیا کہ وہ اس کام کو دوبارہ انجام دیں جو صدیوں پہلے یونانی فلسفہ و سائنس کے روبرو ہمارے عظیم علماء مثلاً غزالی اور (ابوالحسن) اشعری نے اپنے لیے منتخب کیا تھا۔ اپنے ان خطبات میں انہوں نے

ہمارے لیے ایک جدید علم الکلام کی نیو رکھ دی ہے۔"[۲]

ڈاکٹر ظفرالحسن صاحب کے تبصرے سے یہ واضح ہوا کہ علامہ کا اختیار کردہ منہاج علمی اصول تطبیق سے عبارت ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس اصول کا اطلاق کرتے ہوئے علامہ نے استدلال کی جو عمارت اٹھائی، اس کے در و بام سے یہ اصول کیسے منعکس ہوا ہے نیز جدید علم الکلام کی نیو رکھتے ہوئے علامہ نے اس نیو میں کیا کچھ رکھا تھا۔

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ علامہ کے مخاطبین کے ذہنی مسائل سابقہ نسلوں سے مختلف تھے۔ دوسری طرف علامہ کے علمی وسائل گہرائی اور گہرائی کے اعتبار سے اپنے پیشرو مصنفین سے مختلف بھی تھے اور متنوع بھی۔ مخاطبین کے بارے میں علامہ کا اپنا بیان کچھ یوں ہے:

ان لکچروں کے مخاطب زیادہ تر وہ مسلمان ہیں جو مغربی فلسفے سے متاثر ہیں اور اس بات کے خواہشمند ہیں کہ فلسفہ اسلام کو فلسفہ جدید کے الفاظ میں بیان کیا جائے۔ اور اگر پرانے تخیلات میں خامیاں ہیں تو ان کو رفع کیا جائے۔ میرا کام زیادہ تر تعمیری ہے اور اس تعمیر میں میں نے فلسفہ اسلام کی بہترین روایات کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ مگر میں خیال کرتا ہوں کہ اردو خوان دنیا کو شاید ان سے فائدہ نہ پہنچے کیونکہ بہت سی باتوں کا علم میں نے فرض کر لیا ہے کہ پڑھنے والے یا سننے (والے) کو پہلے سے حاصل ہے۔ اس کے بغیر چارہ نہ تھا۔[۳]

یہ فلسفہ جو اس زمانے کے ہندوستان میں پڑھایا جاتا تھا، کیا تھا؟ مغربی افادیت پرستوں اور حسیت پرستوں کے افکار۔ اس سے جو ذہن تیار ہوتا ہے اس کی طرف بھی علامہ نے خطبات کے آغاز ہی میں اشارہ کر دیا ہے کہ "اسے محسوس یعنی اس قسم کی فکر کی عادت ہو گئی ہے جس کا تعلق اشیاء اور حوادث کی دنیا سے ہے"۔[۴] ۔۔۔۔۔ لہٰذا اب ہمیں تشکیل نو کے کام کے لیے "کسی ایسے منہاج کی ضرورت ہو گی جو ۔۔۔۔۔۔ نفسیاتی اعتبار سے اس ذہن کے قریب تر ہو جو گویا محسوس کا خوگر ہو چکا ہے تاکہ وہ اسے بآسانی قبول کرے"۔[۵]

اب علامہ کا ایک بیان خود اپنی افتاد طبع کے بارے میں بھی دیکھ لیجئے۔ ستمبر ۱۹۲۵ء میں صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کے نام خط میں لکھتے ہیں:

میری مذہبی معلومات کا دائرہ نہایت محدود ہے البتہ فرصت کے اوقات میں میں اس بات کی کوشش کیا کرتا ہوں کہ ان معلومات میں اضافہ ہو۔ بات زیادہ تر ذاتی اطمینان کے لیے ہے، نہ تعلیم و تعلم کی غرض سے ۔۔۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ ایک اور بات (یہ) بھی ہے کہ میری عمر زیادہ تر مغربی فلسفے کے مطالعہ میں گزری ہے اور یہ نقطہ ء خیال ایک حد تک طبیعت ثانیہ بن گیا ہے۔ دانستہ یا نادانستہ میں اسی نقطہ نگاہ سے حقائق اسلام کا مطالعہ کرتا ہوں ۔۔۔۔۔[۶]

ان عبارتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم مسئلہ زیر بحث یعنی علامہ کے منہاج علمی کے بارے میں یہ عرض کریں گے کہ علامہ کے مخاطبین دوگونہ مشکلات کا شکار تھے۔ ایک طرف وہ صرف انہی مقولات (Categories) کے آشنا یا انہی مقولات کے قائل تھے جو حسیت پرستی Empiricism کے علمی پس منظر نے انہیں فراہم کئے تھے۔ دوسری طرف وہ ان اشکالات اور فکری الجھنوں میں مبتلا تھے جو حسیات پرستی کے مقولات کو ان کے جائز دائرہ کار سے باہر وارد کرنے سے پیدا ہوئی تھیں۔[۵]

علامہ نے مصلحت وقت اور اپنے علمی رجحان کا تقاضا یہ جانا کہ ان کے مقولات کا انکار کرنے کے بجائے یا ان کے علاوہ دوسرے مقولات کو تسلیم کرنے کی جانب ان کو مائل کرنے کے بجائے انہی مقولات کے اندر اور انہی مقولات کی مثال اور مشابہت کے ذریعے ان کو حقائق دین کی تفسیر کر کے دکھائی جائے اور ان کے شعور پر یہ واضح کر دیا جائے کہ خود تمہارے مسلمات کے مطابق اسلام اور علوم جدیدہ میں تضاد نہیں ہے بلکہ یہ ایک دوسرے سے مثبت طور پر ہم آہنگ ہیں۔ یہ راستہ دشوار تر ہے۔ دو اقالیم کے مقولات کا امتیاز قائم کرنا اور اس امتیاز کی بنیاد پر ان کے مدلولات کو الگ کرنا آسان ہے لیکن ایک اقلیم کے مقولات و مسلمات کے سہارے اور ان کی مثال کے ذریعے ایک الگ اور ماوراء اقلیم کے حقائق کی تعبیر خوگر محسوس اذہان تک منتقل کرنا ایک مشکل کام ہے۔ اس مجرد بحث کو ہم چند مثالوں سے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

کانٹ کے اپنے زمانے سے لے کر ہماری معاصر فکری تحریک "پس جدیدیت" تک جو بنیادی تصور روپ بدل بدل کر کم و بیش ہر مکتب فکر میں ظاہر ہوتا رہا ہے وہ کانٹ کے مرکزی اعتراض پر استوار ہے۔ مابعد الطبیعیات یا وجود خداوندی کے سلسلے میں کانٹ کا نظریہ مختصراً یہ تھا کہ:

> علم ایسے قضیہ مرکبہ وہمیہ کا نام ہے جس کے متوازی خارج میں حقیقت موجود ہو جس کا خام مواد حواس نے مہیا کیا ہو اور عقل کے بنیادی (خلقی) مقولات ر مسلمات" کی بنا پر قضیہ علمیہ میں کلیت پیدا ہوئی ہو۔ یوں حواس اور عقل مل کر ایک ذریعہ علم ہیں لہٰذا ہمارا علم یقینی حواس کے دائرے تک محدود ہے اور ورائے محسوسات کا علم یقینی ممکن ہی نہیں۔

بالفاظ دیگر چونکہ محسوس کے سوا کسی اور شے اور اس سے مختلف کسی اور اقلیم وجود کی تجربی تصدیق ممکن نہیں لہٰذا محسوس کے سوا کسی اور حقیقت کا یقینی علم بھی ممکن نہیں۔ اس بات کو آگے بڑھایئے تو یہ نتیجہ نکلے گا کہ مابعد الطبیعیات (ذات الٰہی، ملائکہ، مقامات معاد، وحی ۔۔) کا علم ناممکن ہے کہ ہم یہ فرض نہیں کر سکتے کہ حقیقت اولیٰ کی ماہیت یوں ہے یا یوں ہے تاوقتیکہ یہ ہمارا تجربہ نہ ہو اور نوع انسانی کا تجربہ یہ اس لیے نہیں کہ انسانوں کا تجربہ دائرہ حواس تک محدود ہے۔ چونکہ حقیقت اولیٰ ہمارے تجربے سے باہر ہے، بنابریں ہمارے علم سے بھی باہر ہے۔

کانٹ کے اس مرکزی خیال کا سامنا کرنے کے دو طریقے ہو سکتے تھے ۔ وہی دو طریقے جو ہم نے اصول تطبیق اور اصول تفریق کے عنوانات کے تحت بیان کئے ۔ کانٹ دو چیزوں کا قائل ہے ۔ حسی ادراک اور اس کے تنظیم و معنویت پیدا کرنے والے خلقی مقولات فکر ۔ اصول تفریق کی راہ اختیار کریں تو جواب یہ ہو گا کہ جن خلقی مقولات [۱۷] کا کانٹ کو اقرار ہے ان کے علاوہ' ان سے اعلیٰ اور اہم تر مقولات اس کی فکر کی رسائی سے باہر رہ گئے ۔ یعنی ہم مخاطب کو کچھ اور مقولات کے وجود کی طرف متوجہ کروائیں گے جن سے ان مظاہر کی توجیہ و تعلیل ہو سکتی ہے جن کی تردید کانٹ کے سلسلہ فکر کے نتیجے میں لازمی ہو جاتی ہے ۔ یعنی اس راہ استدلال میں کانٹ کے مجوزہ مقولات میں اضافہ کرنا مطلوب ہو گا ۔

اس کے برعکس اگر اصول تطبیق کی راہ اختیار کی جائے تو ہمیں مان کر چلیں گے کہ ایک طرف تو مسلمات و مقولات فکر ہیں اور دوسری طرف حسی تجربہ ۔ ہمارے مخاطبین صرف انہی دو کے قائل ہیں ۔ اولین صورت تطبیق دینے والے کی دلیل یہ ہو گی کہ اگر تجربے کا دائرہ وسیع تر کر دیا جائے اور محسوسات کے علاوہ تجربے کے کسی اور ڈھب کا اثبات کیا جائے تو امکان علم سے یہ انکار بھی اثبات میں بدل سکتا ہے ۔ علامہ نے خطاب مصلحت اور قریب الفہم ہونے کی رعایت سے یہی بات کہی کہ انسان کا ایک اور تجربہ بھی ہے' داخلی یا سری تجربہ ۔ اسے وقوف مذہبی یا وقوف سری کہا جا سکتا ہے اور یہ نہ صرف ایک طرح سے ہمارے عمومی طبعی تجربے سے مشابہ ہے بلکہ شاید اسی تجربے کے زمرے میں شامل ہے ۔ [۱۸] غور کیجئے کہ یہاں کیا دلیل کار فرما ہے ۔ علامہ اپنے مخاطب کو اسی کے مسلمات کے حوالے سے اور اسی کے تسلیم کردہ مقولات سے مشابہت کی طرف توجہ دلا کر اسے حقائق دینی میں سے ایک بنیادی چیز یعنی وحی خداوندی کا قائل کر رہے ہیں ۔ تقریب فہم کے لئے وہ گویا مخالف کے میدان فکر میں خود چل کر جاتے ہیں اور اسی کے اصولوں کے مطابق بیان کرتے ہیں کہ دیکھو' حسی تجربات کے علاوہ فلاں قسم کے تجربات اور بھی ہیں جو حواس کے دائرے سے باہر ہیں اور ان کا انکار بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کو خارج میں وقوع پذیر ہوتے دیکھا جاتا ہے لہٰذا اگر حواس کے مدرکات کے علاوہ اور بھی کچھ ہو رہا ہے تو اس پر قیاس کر کے حقیقت کے علم کے ایک اور ذریعے کے امکان کو تسلیم کرنا پڑے گا ۔ مثال کے طور پر علامہ نے ابن صیاد کا واقعہ پیش کیا ہے [۱۹] اور ولیم جیمز کا حوالہ دیا ہے ۔ [۲۰] ابن صیاد کے واقعہ کی تفصیلات پر غور کیجئے تو واضح نظر آتا ہے کہ سارا معاملہ کشف خواطر سے زائد کا نہیں ہے اور دوسرے ذہن کے خیالات بوجھ لینے کی افتی صلاحیت سے متعلق ہے' خالصتاً اقلیم روانی Psychic domain میں پیش آیا اور اس میں حقائق الامور یا عالم غیب کے علم سے متعلق کوئی چیز نہیں پائی جاتی ۔

شعور مذہبی نے وحی کے مابعد الطبیعی' معروضی مظہر میں اور اس قبیل کے نفسی تجربات کے مابین ہمیشہ ایک نوعی فرق مانا ہے ۔ لیکن علامہ جس اصول تطبیق کو استعمال کر رہے تھے اور جن لوگوں کو خطاب کر رہے تھے ان دونوں کا تقاضا تھا کہ ان تک صرف اسی قبیل کے تجربے کا

ابلاغ کیا جائے لہٰذا علامہ نے اپنے خطبے میں ابن صیاد کی استعداد کشف خواطر اور وحی میں فرق بیان نہیں کیا اور اس نوع کے تجربے کو بھی ذرائع علم میں شمار کیا ہے۔ مخاطب کے ذہنی مسائل کی رعایت سے اسے اسی کے مسلمات کے سہارے دین کے حقائق سمجھانے کی اس تطبیقی کوشش کی مثالیں تمام خطبات میں اور ان کے بعض مباحث میں ملتی ہیں۔ ہم سردست ان کے تفصیلی مطالعے سے گریز کرتے ہوئے ایک اور اہم معاملے کی طرف قارئین کی توجہ دلانا چاہتے ہیں جو مذکورہ بالا اصول تطبیق کے اطلاق کے سلبی پہلو سے متعلق ہے۔

وقوف سری کی ابن صیاد والی مثال دے کر اور اسے ذریعہ علم قرار دے کر علامہ نے اپنے مخاطبین کو قائل کیا کہ حسی تجربے کے علاوہ وقوف سری یا اس قبیل کا انسانی تجربہ بھی ممکن ہے جو اگرچہ دائرہ حواس سے باہر ہے تاہم ناقابل تردید طور پر تجربے میں آیا ہے۔ چونکہ وحی بھی بہ اعتبار نوعیت ایک وقوف سری ہے لہٰذا اس کا امکان بھی تسلیم کرنا ہوگا۔ "وقوف سری (سری تجربہ) جو بہ اعتبار نوعیت نبی کے تجربے سے مختلف نہیں ہے انسانی زندگی میں اب بھی بطور ایک امکان کے موجود ہے" -------- "وقوف سری خواہ کتنا ہی غیر معمولی اور مافوق العادات کیوں نہ ہو، مسلمان کو چاہیے کہ اسے ایک کاملاً طبعی تجربہ شمار کریں جسے انسانی تجربے کے دوسرے پہلوؤں کی طرح تنقیدی تجزیے کا موضوع بنایا جا سکتا ہے۔ یہ امر آنحضرتؐ کے اس رویے سے عیاں ہے جو آپ نے ابن صیاد کے نفسی تجربات (احوال) کے بارے میں اختیار کیا"۔[۲۴]

یہاں آکر استدلال کے منطقی رخ کے تحت اس اصول تطبیق کا سلبی پہلو ظاہر ہونے لگتا ہے۔ اولاً یوں کہ اگر وقوف سری جو "بہ اعتبار نوعیت نبی کے تجربے سے مختلف نہیں ہے" احتمال خطا سے بری نہیں ہے تو وحی محمدی (یا کوئی اور وحی خداوندی) بھی احتمال خطا سے بری نہیں ہوگی۔ دوسری طرف یہ دیکھیے کہ اگر دونوں تجربے یا دونوں واردات نوعیت اور کیفیت میں یکساں و ہم جنس ہیں تو تنقیدی نظر سے جائزے کا اطلاق واردات نبوی پر بھی ہو جائے گا۔ اصول تفریق کے تحت اس کا حل یہ تھا کہ انبیاء کی وحی اور وقوف سری کے تمام مظاہر کے درمیان ایک نوعی فرق مانا جائے تاکہ ان کے مراتب الگ کر کے ان کی شرائط اور تقاضے بھی الگ کیے جا سکیں نیز یہ بات پیش نظر رکھی جائے کہ خرق عادت یا غیر معمولی اور مافوق الطبیعی تجربات گو ایک ممکن چیز ہیں مگر ان کے امکان یا ان کے وقوع سے صرف اسی درجہ وجود کے مظاہر کا ثبوت فراہم ہو سکتا ہے یعنی Psychic اور Occult کے وجود کا۔ اس سے اقلیم روحانی سے تعلق کی ضمانت میسر نہیں آتی نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس نوع کے تجربات کا حامل انبیاء کی طرح وحی خداوندی سے سرفراز ہو رہا ہے اور خدا سے ہم کلام ہے۔ اگر یہ فرق نہ مانا جائے تو عام آدمی کے لیے وحی پر عقیدہ رکھنے کی ضرورت ساقط ہو جائے گی اور شریعت محمدیہ بھی انسانی تجربات کی ذیل میں ایک تجربہ بن جائے گی جس کے رد و قبول کا حق عقل استقرائی کو حاصل ہوگا اور ماوراء الطبیعی جہت سے کٹ کر نبوت محمدیہ اور ختم نبوت ہر دو صرف عقلی قدر و قیمت کی کمزور بنیاد پر

تسلیم کے لیے پیش ہوں گے۔

پہلے اشکال کو رد کرنے کے لیے علامہ نے قرآن سے استدلال کیا ہے۔[۲۳] اس استدلال کا منطقی قضیہ یہ ہے کہ واردات باطنی میں احتمال خطا کے باوجود سے بطور ایک ذریعہ علم کے رد نہیں کرنا چاہیے کیونکہ خود وحی نبوی میں یہ احتمال پایا جاتا ہے۔ اس استدلال میں جو سقم ہے اس سے ہم یہاں تعرض نہیں کر رہے۔ ہمیں اپنے پیش کردہ نکتے کی فکری توسیع کے طور پر عرض کرنا ہے کہ علامہ کو اپنے طریق استدلال کے منطقی نتیجے کے طور پر پیدا ہونے والے بعض اشکالات کا بخوبی اندازہ تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ جب وقوف سری کو اور وقوف مذہبی کو عام انسانی تجربے کے زمرے میں شمار کیا جائے گا تو اس سے اگرچہ حسیت پرستی میں گرفتار مخاطبین کو وحی کے ممکن ہونے پر دلائل سے قائل تو کر لیا جائے گا مگر ساتھ ہی وہ اساسی امتیازات بھی منہدم ہو جائیں گے جو عام انسان کے معمول بہ حسیاتی، روانی اور اختیاری تجربات اور تخیلات ربانی کے وصول کرنے والے خاص انسانوں کے تجربے کے درمیان شعور مذہبی کی طرف سے پیش نظر رکھے جاتے ہیں۔ وحی خداوندی کی حجیت اور صداقت پر وارد ہونے والے اس اشکال کو سامنے رکھتے ہوئے اور صاحب وحی کے تجربے کا عام انسانی تجربے سے امتیاز از سر نو قائم کرنے کے لیے علامہ نے خطبہ اول کے آخر میں اور دیگر مقامات پر بھی اس کے ممکنہ حل کی طرف اشارہ کیا ہے:

> Religious experience' I have tried to maintain' is essentially a state of feeling with a cognitive aspect' the content of which cannot be communicated to others' except in the form of a judgement. Now when a judgement which claims to be the interpretation of a certain region of human experience' not accessible to me' is placed before me for my assent' I am entitled to ask' What is the guarantee of its truth? Are we in possession of a test which would reveal its validity? If personal experience had been the only ground for acceptance of a judgement of this kind' religion would have been the possession of a few individuals only. Happily we are in possession of tests which do not differ from those applicable to other forms of knowledge. These I call the intellectual test and the pragmatic test. By the intellectual test I mean critical interpretation' without any presuppositions of human experience' generally with a view to discover whether our interpretation leads us ultimately to a reality of the same character as is revealed by religious experience. The pragmatic test judges it by its fruits. The former is applied by the philosopher' the latter by the prophet. In 'The lecture that follows' I will apply the intellectual test".

علامہ نے اس مشکل کا حل پیش کرتے ہوئے بھی اپنے اختیار کردہ طریق تطبیق کو ترک نہیں کیا بلکہ اسی کے تقاضے کے مطابق وہ معیار اور وہ آزمائشیں بطور حدود امتیاز تجویز کیے ہیں جو مخاطب کے مقولات و مسلمات فکر یا اس کے ذہنی تناظر Paradigm سے باہر نہیں ہیں۔"

ہمارے پاس بعض ایسی آزمائشیں موجود ہیں جو ان آزمائشوں سے مختلف نہیں ہیں جن کا اطلاق علم کی دوسری اصناف پر ہوتا ہے"۔ "ان الفاظ سے علامہ اسی مشترکہ بنیاد کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ ان کی تجویز کردہ آزمائش عملی اور آزمائش نظری دونوں کا تعلق مخالف کی اقلیم فکر کے مسلمات سے ہے۔ اول الذکر عملی افادیت Pragatism پر مبنی ہے اور موخر الذکر کاتار و پود تجربیت Empiricism اور حیات پرستی Vitalism سے تیار ہوا ہے اور اس کے لیے دلائل فراہم کرتے ہوئے علامہ نے اپنے معاصر فلسفیوں کے افکار سے تفصیلی استفادہ کیا ہے اور ان کے نظریات سے مشابہت و ہم آہنگی کی بنیاد پر اپنے استدلال کو تعمیر کیا ہے۔"

ہماری دانست میں یہ ہیں وہ عناصر ترکیبی جن پر تشکیل جدید کی منہاج علمی استوار کی گئی۔ ان کی طرف اولین اشارہ ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب نے کیا تھا اور ان کے مختصر اشارات کی مدد سے تشکیل جدید کے مباحث کا تجزیہ کرتے ہوئے ہم ان نتائج تک پہنچے ہیں جن کا ایک ادھورا سا اظہار سطور ماقبل میں ہم نے کیا ہے۔ آیئے! اب ان نتائج کے حوالے سے حال ہی میں چھپنے والے ایک مقالے کا جائزہ لیں۔

ڈاکٹر ظفر الحسن صاحب کے شاگرد اور علی گڑھ یونیورسٹی ہی میں ان کے بعد صدر شعبہ فلسفہ کا منصب پانے والے فلسفی ڈاکٹر عشرت حسن انور صاحب کا ایک مقالہ مجلہ اقبال میں "Testing Iqbal's Philosophical Test of the Revelations of the Religious Experience" کے عنوان سے چھپا ہے۔ "مقالے کے مرعوب کن عنوان اور مقالہ نگار کی سابقہ شہرت کو مد نظر رکھتے ہوئے خوش گمانی یہ تھی کہ صاحب مقالہ نے اپنے استاد گرامی کے رشتہ فکر کو تھام کر انہی خطوط پر اپنے تجزیے کی بنا رکھی ہوگی اور تشکیل جدید کے منہاج علمی کے داخلی اور خلقی تقاضوں کے سیاق و سباق میں اور علامہ کے طریق تطبیق کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے اشکالات پیش کئے ہوں گے۔ اس سے برعکس ہوا کیا؟ موصوف نے اپنے تجزیے میں تشکیل جدید کی نہاد میں موجود اس اصول تطبیق اور اس کے فکری لوازم کو تو سرے سے نظر انداز کر دیا اور ایک رجزیہ آہنگ سے مقالے کا آغاز کرنے کے بعد دوسرے پیراگراف ہی میں وہ طرز استدلال اپنا لیا ہے جو تشکیل جدید کے بنیادی منہاج فکر اور اصول تطبیق ہی کے خلاف پڑتا ہے۔ وہ مخاطب جس کو اس کے مسلمات فکر کے حوالے سے وحی کے امکان پر اور ذرائع علم میں سے ہونے پر قائل کیا جا رہا ہو، اس کے سامنے یہ دلیل کیسے موثر ہو سکتی ہے کہ قرآن مجید میں فلاں سورہ میں آیت نمبر فلاں پر یوں آیا ہے کہ ---------- یہ مخاطب وحی کے وجود یا اس کے ممکن ہونے کے بارے ہی میں متشکک ہے اور ان مقولات فکر ہی کو تسلیم نہیں کرتا جو وحی کا جواز ثابت کرنے کے لیے ضروری ہیں اور علامہ اس کو ان بنیادی مقدمات کا قائل کرنے کے لیے کوشاں ہیں جن کو مان کر وحی خداوندی اور تنزیلات ربانی کا رشتہ و پیوند انسانی فکر و عمل سے جوڑا جا سکتا ہے تو ایسی صورتحال میں اسی وحی سے دلیل دینا کہاں تک مناسب ہوگا

جس کے امکان و امتناع پر ابھی اتفاق رائے نہ ہو؟"

تشکیل جدید کی فکری منہاج سے یہ اغماض اور علامہ اقبال کے بعض نکات فکر کو پورے تناظر، اور بسا اوقات سیاق و سباق سے، الگ کر کے ان کے سہارے اپنے بعض نظریات کو اجاگر کرنے کی یہ روش سارے مقالے میں موجود ہے۔ اس کا تجزیہ کرنے سے پہلے ذرا یہ دیکھ لیں کہ علامہ کے استدلال، طرز تفلسف اور علمی منہاج پر عشرت حسن انور صاحب کے اعتراضات کا لب لباب کیا ہے۔

مقالہ نگار کو علامہ پر دو بنیادی اعتراضات ہیں۔ پہلا یہ کہ علامہ نے تشکیل جدید میں نوع انسانی کے مذہبی تجربے یا وقوف مذہبی و سری [۳۰] کا دفاع صرف اسلام کے نقطہ نظر سے کیا اور اس محدود نقطہ نظر کی وجہ سے دیگر ادیان اس دفاعی اور ثبوتی عمل کے فوائد سے محروم رہ گئے اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ علامہ نے اپنے طرز استدلال میں وحدت ادیان کے تصور پر زور نہیں دیا اور مختلف ادیان کے مشترکہ عناصر کو نمایاں نہیں کیا۔ [۳۱]

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ تاریخ انسانی میں وحی کے مافوق الطبیعی مظہر کے عمل دخل کو ثابت کرنے کے جو تین ممکنہ دلائل ہو سکتے ہیں ان میں سے علامہ نے صرف ایک استعمال کیا ہے جبکہ دوسرے بھی اس کے دفاع اور ثبوت کے لیے موثر دلیل فراہم کر سکتے تھے۔ [۳۲] پہلا طریقہ یہ ہے کہ علوم طبیعی کے انکشافات سے مذہبی تجربے کی مطابقت دکھائی جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ علم الاذہان [۳۳] کے اعتبار سے یہ معلوم کیا جائے کہ اس تجربے کی تائید ہوتی ہے یا تردید۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ فکر دینی کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے اور وقوف مذہبی یا بالفاظ دگر، وحی کو اس ساری تاریخ میں زمان و مکان کے اختلاف کے باوجود ایک مشترکہ عنصر کے طور پر دیکھا جائے اور اس اشتراک کو بطور دلیل برتا جائے۔ [۳۴]

ہم نے اپنی تحریر کے پہلے حصے میں جو مقدمات قائم کئے تھے اور جن کی بنیاد ہم نے ڈاکٹر ظفر حسن صاحب کے اشارات پر رکھی تھی ان کے حوالے سے عشرت حسن انور صاحب کے مذکورہ دونوں اعتراضات کا جواب کم و بیش ایک ہی ہے۔ انور صاحب نے چونکہ اپنے استاد کے برعکس علامہ اقبال کے اس منہاج فکر اور اس طرز استدلال کے تقاضے ملحوظ رکھنے کی زحمت نہیں کی جو تشکیل جدید میں برتا گیا ہے اس لیے انہیں ان اشکالات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ہم نے اس منہاج کلام کو اصول تطبیق کا عنوان دیا تھا۔ اصول تطبیق کے مطابق غور کیجئے تو یہ واضح ہے کہ اگر نفس دین اور خود وحی کے وسیلے کا امکان اور عدم امکان زیر بحث ہو تو ایک دین یا مجموعہ ادیان کے دفاع میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ جب دین کی اساس ہی معرض خطر میں ہو تو مختلف ادیان کو شامل بحث کرنے سے صرف اتنا فرق پڑے گا کہ متاثرین کی صف میں ایک کی جگہ پانچ یا دس کشتگان فلسفہ و سائنس کا اضافہ ہو جائے گا۔

دوسرا اعتراض بھی اسی وجہ سے علامہ کی منہاج پر وارد نہیں کیا جا سکتا کہ مؤخر الذکر

دونوں دستہ دلائل اصول تطبیق کے دائرے میں نہیں آتے لہٰذا انہیں اس طرز استدلال میں موثر طور پر برتا نہیں جا سکتا۔ اگر مخاطب حسیت پرست ہو تو اسے یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ یوگا کی ذہنی مشق کے نتائج سے وحی کا ثبوت ملتا ہے۔[۳۵] وہ تو ایسے تمام مظاہر کو اختلال حواس سے تعبیر کر رہا ہے۔ اسی طرح نوع انسانی کے مشترکہ روحانی تجربے کو بطور دلیل پیش کرنا بھی اگرچہ ممکن ہے اور علامہ نے خود اس کی طرف اشارے بھی کئے ہیں[۳۶] لیکن اصول تطبیق کے لحاظ سے یہ بھی موثر طرز استدلال نہیں ہے کیونکہ یہ اس مخاطب کے لیے تو دلیل بنے گی جو اس مظہر خداوندی کا امکان تسلیم کرتا ہو اور پھر اس کی کثرت وقوع کو بطور اضافی دلیل قبول کر سکے۔ وہ مخاطب جو وحی کو نفسیاتی مرض، ذہنی مغالطہ یا خود فریبی قرار دیتا ہو اس کے لیے یہ دلیل غیر موثر اور بے محل ہو گی کہ اس کا ذہنی سانچہ اسے قبول کرنے سے عاری ہے اس کے لیے یہ دلیل مع الفارق ہے۔ علامہ نے اس کی رعایت تشکیل جدید کے ہر مرحلے پر رکھی ہے۔ عشرت حسن انور صاحب نے اس بنیادی امتیازی خصوصیت پر نظر نہیں کی اور اپنی بات کی دھن میں چل دیئے۔ اس میں امتحان نظری کو بھی لپیٹ لیا اور تامل تحریر وہاں پہنچے جس کا تذکرہ سطور ماقبل میں ہو چکا ہے۔

اپنے مقالے کے عنوان میں عشرت صاحب نے علامہ کے خطبے کے عنوان میں وارد ہونے والے انگریزی لفظ Revelation کو صحیح نقل کیا ہے[۳۷] لیکن اس کے بعد سارے مقالے میں اس لفظ کو صیغہ واحد میں استعمال کیا ہے۔ اس تغیر سے معانی کے رنگ جس طرح تبدیل ہوتے ہیں وہ انگریزی خواں قارئین سے مخفی نہیں رہے ہوں گے۔ علامہ کا مدلول اور مشارالیہ اس لفظ سے وہ معلومات، اطلاعات یا انکشافات ہیں جو وحی کے وسیلے سے حاصل ہوتی ہیں یا دوسرے الفاظ میں علم بالوحی۔ عشرت حسن انور صاحب نے از اول تا آخر[۳۸] اسے صیغہ واحد میں استعمال کرتے ہوئے اس سے عمل انکشاف مراد لیا ہے یعنی عمل وحی کی ماہیت، اس کی فعلیت اور اس عمل کے مالہ و ماعلیہ۔ اسی بنیاد پر تنقید کرتے چلے گئے۔ ان کے دوسرے اعتراض کی طرح یہ بھی اپنے ہدف سے اسی لیے ہٹ گیا ہے علامہ کے مفہوم کو گرفت میں لانے کے لیے جو لازمی محنت درکار تھی وہ انجام نہیں دی گئی۔

ہم عرض کر چکے ہیں کہ علم بالوحی کے وسیلے کو جس طرح علامہ نے ثابت کیا اس تطبیقی طریقے کو اختیار کرنے میں کچھ مسائل پیدا ہوتے تھے اور وحی کا تجربہ بھی عام انسانی تجربات کے زمرے میں آجاتا تھا لہٰذا اس دشواری کے حل کے لیے علامہ نے یہ تجویز کیا کہ دو آزمائشیں ہو سکتی ہیں جو اس تجربے کو عام انسانی تجربے سے ممتاز کرتی ہیں۔ اولاً یہ کہ اس وسیلہ علم کے حاصلات اور معلومات سے جو تعبیر کائنات اور تصور حقائق ابھرتا ہے[۳۹] اسے معاصر فلسفہ و سائنس کے نظریات سے ملا کر دیکھا جائے اور ان میں توافق و ہم آہنگی کو مخاطب کے لیے بطور دلیل استعمال کیا جائے۔ عشرت حسن انور صاحب نے یہ بات تو نظر انداز کر دی اور اعتراض کر دیا کہ "مذہبی تجربے اور اس کے عمل انکشاف میں موزوں تعلق قائم نہیں کیا گیا"[۴۰]۔ اور

بنابریں علامہ اقبال، ان کے خیال میں، اس کائناتی اور ہمہ گیر تناظر سے محروم[۷۱] ہو گئے جو وحدت ادیان کی طرف ان کی رہنمائی کر سکتی تھی۔[۷۲] یہ کہہ کر انہوں نے بات کا رخ اس طرف موڑ دیا ہے کہ اگرچہ علامہ نے وقوف سری اور وقوف مذہبی کے مابین امتیاز کیا ہے[۷۳] اور ہم سردست اسے تسلیم کیے لیتے ہیں تاہم یہ وقوف مذہبی تمام ممالک اور تمام معاشروں میں پایا جاتا رہا ہے اور قرآن نے صراحتاً اس کا بیان کیا ہے ---------------------

یہ کہہ کر عشرت صاحب نے قرآنی آیات درج کر دی ہیں اور پھر قاری کو ان نتائج کی طرف متوجہ کیا ہے جو ان کی دانست[۷۴] میں ان آیات سے مستنبط ہوتے ہیں۔ ہماری گزارش یہ ہے کہ ان کی آراء سے اب بحث کا موضوع یہ ہو گیا کہ کیا اسلام کے علاوہ بھی دیگر ادیان منزل من اللہ ہیں؟ یہ علامہ کے موضوع سخن سے الگ بحث ہے اور یہاں بے محل ہے۔ جو مخاطب اقلیم ربانی کا وجود نہ مانے اور تنزیل کی کسی نوع کا قائل نہ ہو، اسے ایک سے زائد تنزیلات کی خبر دینا اور اس پر آخری تنزیل سے دلیل قائم کرنا مہمل بات ہے۔ دوسری طرف یہ دیکھئے کہ علامہ سے یہ منسوب کیا ہے کہ وہ وقوف سری و مذہبی میں امتیاز کرتے ہیں۔ یہ بات کو الٹ دینے کے مترادف ہے۔ امتحان عملی اور امتحان نظری کی ضرورت ہی اس لیے پیدا ہوئی تھی کہ علامہ نے اصول تطبیق کے تحت مخاطب کی ذہنی سطح اور مسلمات فکری کی رعایت کرتے ہوئے وقوف مذہبی اور وقوف سری کو نوعیت میں ایک اور شدت یا نتائج میں مختلف بتایا تھا اور اس سے جو حد فاصل منہدم ہوتی تھی اسے دوبارہ قائم کرنے کی غرض سے دو آزمائشیں تجویز کی تھیں۔ اس کی طرف ہم اپنے تمہیدی صفحات میں اشارہ کر چکے ہیں۔

انہی آزمائشوں کے ذکر میں عشرت حسن انور صاحب نے اس کے بعد خطبہ اول کے آخری پیراگراف کی عبارت نقل کی ہے[۷۵] اور یہاں بھی اس عبارت کو علامہ کے دیگر بیانات[۷۶] سے ملائے بغیر اور بعض کلیدی الفاظ و مصطلحات کا واضح مفہوم متعین کیے بغیر علامہ پر تضاد فی البیان اور قیاس منفصل کے اعتراضات عائد کر دیے ہیں اور بحث کا رخ اس بات کی طرف موڑ دیا ہے کہ وحی کے تجربے کا ابلاغ فی نفسہ ممکن ہے یا نہیں۔

اس اقتباس کا سب سے اہم کلیدی لفظ Feeling ہے۔ اس کے ترجمے کو متعین کرنے میں قارئین اور مترجمین تشکیل جدید کو عموماً دشواری کا سامنا کرنا پڑا ہے۔[۷۷] عشرت حسن انور صاحب نے اس لفظ کو انگریزی کے عام مستعمل معنی یعنی جذبات و تاثرات کے مترادف کے طور پر لے لیا ہے اور اسی بنا پر اعتراضات بھی وارد کیے ہیں۔ اس کے مدلول کو واضح کرنے کے لیے اولاً تو یہ دیکھنا چاہیے کہ علامہ نے یہاں Feeling کا لفظ اس معنی میں برتا ہے جس میں مولانا روم نے اسے استعمال کیا ہے۔ ہمارے اس قیاس کا قرینہ یہ ہے کہ اسی خطبے میں اسی مفہوم کے لیے ایک اور جگہ مولانا روم کا حوالہ دیا ہے۔ متعلقہ اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

آفتاب معرفت را نقل نیست
مشرق او غیر جان و عقل نیست

خاصه خورشید کمالی کان سریست
روز و شب کردار او روشن گریست

مطلع شمس آی اگر اسکندری
بعد از آن هر جا روی نیکو فری

بعد از آن جا روی مشرق شود
شرقها بر مغربت عاشق شود

حس خفاشت سوی مغرب دوان
حس درپاشت سوی مشرق روان

راه حس راه خرانست اے سوار
اے خران را تو مزاحم شرم دار

پنج حسی هست جز این پنج حس
آن چو زر سرخ وین حسها چو مس

اندر آن بازار کایشان ماهرند
حس مس را چون حس زرگی خرند

حس ابدان قوت ظلمت می خورد
حس جان از آفتابی می چرد

ای ببرده رخت حسها سوی غیب
دست چون موسی برون آور زجیب

اے صفاتت آفتاب معرفت
و آفتاب چرخ بند یک صفت

☆○☆○☆○☆○☆○☆○☆○☆

گر بدیدے حس حیوان شاہ را
پس بدیدی گاو و خر اللہ را

گر نبودے حس دیگر مر ترا
جز حس حیوان زبیون ہوا

پس بنی آدم مکرم کی بدی
کی بہیمی مشترک محرم شدی

☆○☆○☆○☆○☆○☆○☆

آینہ دل چون شود صافی و پاک
نقشہا بینی برون از آب وخاک

ہم بہینی نقش و ہم نقاش را
فرش دولت را و ہم فراش را

☆○☆○☆○☆○☆○☆○☆

گفتم آخر آینہ از بہر چیست
تا بداند ہر کسی کو چیست و کیست

آینہ ء آہن برای پوستہاست
آینہ ء سیمای جان سنگی بہاست

آینہ ء جان نیست الا روی یار
روی آن یاری کہ باشد زآن دیار

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

گفتم اے دل آینہ کلی بجو
رو بدریا کار بر ناید بجو[48]

☆○☆○☆○☆○☆○☆○

مولانا روم نے "حس درپاش"، "حس جان" اور "حس دیگر" کی تراکیب سے جس مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے اس کا ترجمہ علامہ نے feeling کے لفظ سے کیا ہے۔ یہ اصطلاح اگرچہ پوری طرح ابلاغ مفہوم نہیں کر سکتی ہتاہم جس طرح مماثلت مقلوب کے اصول کے تحت مولانا روم نے حس کے لفظ کو جو ایک مرتبہء وجود کی چیز ہے، اٹھا کر دوسرے مرتبہء وجود کے حقائق کے بیان کے لیے استعمال کیا ہے، اس کے تحت علامہ کے اس استعمال کی گنجائش بھی پیدا کی جا سکتی ہے۔ پرانے علوم اور مابعد الطبیعیات کے وسائل بیان کا یہ ایک عام اصول تھا اور اس میں موجود اشتراک لفظی کی وجہ سے اس کے مدلول حقیقی کے بارے میں اشتباہ نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن انور صاحب کے اعتراضات سے لگتا ہے کہ انہوں نے صرف اس کے چلتے ہوئے سامنے کے معنی ہی ملحوظ رکھے ہیں اور علامہ کے دیگر بیانات کی روشنی میں اس کے اصطلاحی اور مرادی معنی متعین کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اسی وقوف سری و مذہبی کو علامہ نے کئی جگہ "حس" یا "احساس" کے لفظ کے بجائے دوسرے الفاظ میں بھی بیان کیا ہے:

"The Total reality' which enters our awareness and appears on interpretation [49]as an empirical fact has other ways of invading our conciousness"

" .....We are not yet in possession of a really effective scientific method to [50]analyse the contents of non - rational modes of conciousness".

طوالت سے بچنے کے لیے انہی دو اقتباسات پر اکتفا کرتے ہوئے ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ماقبل مذکورہ اقتباسات میں "احساس" کا لفظ مجازاً استعمال ہوا ہے۔ اس کی تائید اور کئی بیانات سے بھی ہوتی ہے۔ علی گڑھ کے انگریز استاد سے علامہ کا معروف مکالمہ بھی اس پر دال ہے جس میں انہوں نے وحی لفظی اور وحی متلو کا ثبوت اپنے شعری تجربے کے حوالے سے دیا تھا۔ تشکیل جدید میں بھی کہا ہے کہ:

[51]There is a sense in which the word is also revealed."

علامہ نے "مرتبہء احساس" "State of feeling" کے الفاظ سے یہ مراد لیا ہے کہ حواس، عقل جزئی۔ خرد اور عقل کلی کے تین درجات حصول و ارتسام کے اعتبار سے مختلف ہیں، ان کی فعلیت اور عمل دخل کی اقالیم بھی مختلف ہیں اور انداز ادراک و ارتسام بھی جداگانہ ہے۔ حواس اپنی اقلیم محسوس سے براہ راست ارتسامات قبول کرتے ہیں۔ عقل جزئی، جو عقل کلی اور حواس کے درمیان ایک اقلیم دورو ہے، یا تو حواس کے

مدرکات حاصل کرتی ہے یا عقل کلی (قلب، وحی) کے حاصلات کو ابلاغ کے سانچوں میں منتقل کرتی ہے۔ یہ اپنے آپ سے اور آزادانہ سرگرمی پر قادر نہیں ہے۔ علامہ نے خرد یا عقل جزئی سے ماوراء non - rational اسالیب ادراک کے عمل کو حواس کے براہ راست اور مباشر عمل کی مماثلت پر سمجھانے کے لیے "حس" اور "احساس" کا لفظ استعمال کیا ہے[۵۲]۔ شیخ اکبر کے مقولے "الحق محسوس والخلق معقول" کا حوالہ دے کر بھی علامہ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا[۵۳]۔ پہلے خطبے میں اس کی وضاحت مندرجہ ذیل لفاظ میں کی گئی:

"One indirect way of establishing connexions with the reality that confronts us is reflective observation and control of its symbols as they reveal themselves to sense- perception' the other way is direct association with that reality .....

In the interests of securing a complete vision of Reality' therefore' sense - perception must be supplemented by the perception of what the Qur'an describes as Fu'ad or Qalb i.e. heart[54]

دیکھئے کہ یہاں انگریزی میں بھی ایک ہی لفظ (perception) دو مختلف اقالیم سے حصول علم کا تعلق پیدا کرنے کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔ اعلیٰ اور ادنیٰ کی تعریف مشترک ہوتی ہے۔ ادنیٰ میں یعنی ادراک بالحواس میں تدریج نہیں ہے۔ اعلیٰ میں وسیلہ بھی ہے اور وسیلہ نہیں بھی ہے۔ عشرت حسن انور صاحب نے مماثلت مقلوب کے اس استعمال کو نظر میں رکھے بغیر تنہا اس اقتباس کی بنیاد پر اعتراض کر دیا اور بات کا رخ تجربے کے ابلاغ کی طرف موڑ دیا۔ "احساس" کے لفظ سے علامہ کی اس اقتباس میں کیا مراد ہے، ہم نے اس کے بارے میں جو تصور قائم کیا، اس کے بعد اگرچہ انور صاحب کا اعتراض باقی نہیں رہتا، تاہم ان کے اٹھائے ہوئے نکات کا ایک اور پہلو سے جائزہ لینا ضروری ہے۔

مذہبی تجربہ بحیثیت تجربہ ناقابل ابلاغ کہا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ ابلاغ بلا مقدمات ہے جبکہ حصول مع مقدمات ہے۔ یعنی صاحب وحی، عمل وحی میں دوسروں کو شریک نہیں کر سکتا، اس عمل وحی کے حاصلات ر معلومات ر انکشافات کو زبان کے مشترک وسیلے سے دوسروں تک البتہ قابل ابلاغ بنایا جاتا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ علامہ کے خیال میں وحی کے الفاظ بھی منزل من اللہ ہیں اور اس طرح مدرکات کو لفظ و خیال میں ڈھال کر ابلاغ کے عمل سے گزارنے کا اعتراض ساقط ہو جاتا ہے۔ انور صاحب کو اس نکتے پر اعتراض یہ تھا کہ علامہ یہاں قیاس منفصل کے مرتکب ہوئے ہیں۔ پہلے ایک اصول قائم کیا ہے کہ مذہبی تجربہ فی نفسہ ناقابل ابلاغ ہے پھر اس عموم اور اس اصول میں استثناء بیان کیا ہے "الا بہ شکل قضایا حکمیہ یا قضایا مرکبہ"۔ اس طرح انور صاحب کے خیال میں علامہ کی فکر میں تضاد ابھرتا ہے اور اصطلاحاً" وہ قیاس منفصل میں پھنس گئے ہیں۔ مراتب وجود کا لحاظ نہ رکھنے سے اس طرح کے مغالطے پیدا ہونا عجب نہیں ہے جیسا کہ انور صاحب کو

یہاں پیدا ہوا ہے ۔ غور فرمائیے کہ علامہ نے ابلاغ کا انکار اس تجربے کے ایک مرتبے کے لیے کیا ہے اور اس کی ایک خاص صورت میں ابلاغ کا اثبات ایک دوسری سطح کے لیے کیا ہے ۔ وحی کی ایک سطح مخیل ہے اور ایک سطح ثبوت یا انکار ۔ وحی کا تجربہ فی نفسہٖ سطح مخیل میں ہے ۔ یہاں اس میں دوسرا کوئی شریک نہیں ہے ۔ بصورت قضایا مرکبہ اور بالا مقدمات اس کا ابلاغ سطح ثبوت و انکار میں ہے اور وہاں اس کو قابل ابلاغ قرار دینے سے قیاس منفصل نہیں ہو گا ۔ اسے جامعیت یا عمل تالیف کہیں گے ۔

آگے چلیے تو انور صاحب نے ساتویں خطبے کی ابتدائی صفحے کی عبارت نقل کی ہے جس میں علامہ نے مذہبی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کر کے ان کے خواص بیان کیے ہیں" ۔ انور صاحب کو اس پر دو اعتراضات ہیں ۔ اولاً یہ کہ امتحان نظری اور مذہبی زندگی میں تطبیق دینا ایک کار عبث ہے اور اسے بروئے کار لانا صرف ایک فکری حربہ ہے ۔ اس اعتراض پر یہاں گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہماری اب تک کی معروضات اس امتحان نظری کی احتیاج اور اصول تطبیق کے اطلاق سے اس کی ضرورت کے بارے میں وضاحت کر دیتی ہیں ۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر تین ادوار مانے جائیں تو اس امتحان نظری کا اطلاق صرف ثانی الذکر دور یعنی تفہیم عقلی کے دور پر کیا جا سکتا ہے اور اس طرح باقی دو ادوار اس امتحان نظری کے ذریعے جانچے نہیں جا سکتے ۔ غور کیجئے تو یہاں پھر وہی مغالطہ کار فرما ہے جو revelations کو صیغہ ء واحد میں سمجھنے سے پیدا ہوا ہے ۔ علامہ ان تینوں ادوار میں نفوس انسانیہ کی داخلی کیفیت سے بحث کر رہے ہیں جبکہ تینوں ادوار میں وحی کے حاصلات ر معلومات یکساں ہیں ۔ ان کے اثبات اور تفہیم کے عمل میں تدریج کی طرف علامہ نے اشارہ کیا ہے ۔ اس اقتباس سے کچھ اور طرح کے اشکالات البتہ جنم لیتے ہیں جو اپنے منطقی نتائج میں شعور مذہبی کے مسلمات سے ٹکرا جاتے ہیں اور جن کے لیے بعض تاویلات کا سہارا ضروری ہو جاتا ہے ۔ لیکن انور صاحب کی نگاہ ان اہم نکات کی طرف نہیں گئی ۔ ان اشکالات پر ہم الگ سے اپنی معروضات پیش کریں گے ۔ سردست یہ دیکھئے کہ عشرت حسن انور صاحب کا اگلا اعتراض کیا ہے ۔ یہاں آکر انہوں نے پہلے خطبے کا آخری پیراگراف دوبارہ نقل کیا ہے اور امتحان نظری و عملی کے حوالے سے یہ سوال اٹھایا ہے کہ ان آزمائشوں کا اطلاق کرنے والے کون ہیں ؟ ان کے خیال میں امتحان عملی خود صاحب وحی یا صاحب تجربہ نبی کرتا ہے اور امتحان نظری اس کے بعد آنے والے اہل فکر اور اگر مذہبی تجربہ اس طرح کے دوگانہ امتحان کے معیار پر اپنی حقانیت ثابت کرنے کا محتاج ہے تو ایک طرف تو یہ تجربہ خود نبی کے لیے معروضی صداقت اور حتمی یقینی ثبوت نہیں ہو گا اور دوسری طرف اس کے ماننے والوں کے لیے بھی ایک مفروضے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھے گا ۔

یہاں ہمیں یہ ماننا چاہیے کہ نبی کے لیے وحی کی عملی آزمائش کا نکتہ بعض اہم اور پیچیدہ اشکالات کو جنم دیتا ہے اور اقبالیات کے ماہرین کو اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے ۔ ہم نے اس نکتے پر اور اس کے منطقی مضمرات پر اپنے ایم فل کے مقالے میں بحث کی ہے اور ایک الگ مقالے میں اس نکتے کا تجزیہ علامہ کے مجموعی موقف اور عمومی تناظر کے حوالے سے پیش کرنا چاہتے ہیں ۔ اس جگہ ہمیں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ سابقہ اعتراض کی طرح یہاں بھی انور صاحب نے مسئلے کے بعض اہم تر پہلوؤں کی طرف توجہ ہی نہیں کی اور فرض کر لیا کہ نبی خود اپنے تجربے کی آزمائش معاشرے میں تبدیلی کے عمل سے کرتا ہے اور اس کے بغیر اسے اپنے تجربے کی صداقت پر یقین نہیں ہوتا۔ یہ امتحان نبی خود نہیں کرتا ۔ علامہ کے مخاطبین آج ' صدیوں کے صحرا کے اس پار سے ' اپنے ایمان کے دھندلکے میں اس آزمائش کو فرض کر کے اس سے اپنے لیے تقویت ایمان کا سامان کر رہے ہیں ۔ اس ذہنی ضرورت کو ماضی میں لاگو کرنا ایک تاریخی مغالطے سے کم نہ ہو گا۔

اس سے آگے چلیے تو امتحان نظری کا تذکرہ دوبارہ شروع ہوتا ہے لیکن اس مرتبہ اس امتحان پر اعتراضات کا نقطہ نظر وحدت ادیان کا مبحث ہے جو اگلے تین صفحات پر مختلف انداز میں پھیلا ہوا ہے ۔ ان نکات کا مرکزی خیال بھی وہی ہے کہ تمام ادیان کو اس فلسفیانہ امتحان کی کسوٹی پر پورا اترنے والا کیوں نہیں قرار دیا ؟ ہم بار دگر ان اعتراضات کی بنیادی غلطی کی طرف اشارہ نہیں کرنا چاہتے [۵۷] جو علامہ کے طرز استدلال اور اصول تطبیق کے اطلاق ' اس کے مضمرات اور اس سے پیدا ہونے والی مصالحت جوئی کے عمل سے اغماض برتنے سے پیدا ہوتی ہے ۔ ہم صرف اس نقطہ ء استعجاب پر اختتام کلام کرنا چاہتے ہیں کہ عشرت حسن انور صاحب جیسے صاحب علم اور فلسفی مزاج مصنف پر غالبا ان کے حالات کے تقاضوں [۵۸] کی وجہ سے وحدت ادیان کا مبحث اتنا غالب آ گیا کہ نہ صرف انہوں نے تشکیل جدید کے بنیادی طرز استدلال کی نوعیت پر غور نہیں کیا بلکہ 'فلسفیانہ آزمائش' کا نام لینے کے باوجود بحث کو اس کے صحیح تناظر سے ہٹا کر ایک ایسے رخ پر ڈال دیا جو اسے اس کے اصل مدعا و مقصود سے دور کر کے وہاں لے گئی جہاں آکر ہمیں مجبورا یہ کہنا پڑا کہ :

اب کے بالکل نئے رنگ سے لکھ رہے ہیں سخن ور "مقالے"
حرف تو سب کے سب ہیں رجز کے مگر مدعا مختلف ہے [۵۹]

حواشی

۱۔ متاخرین علمائے علم کلام کے معروف نمائندے ' عضدالدین ایجی (م ۷۵۶ ھ) نے یہ تعریف اپنی کتاب مواقف میں بیان کی ہے ' بحوالہ جدید انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن (نیو یارک میکملن ' ۱۹۸۷ء ۔ ۲۳۱ :۸) ۔ یہ علم کلام کی فنی تعریف ہے ۔ شرعی نقطہ نظر سے اہل فقہ و فتوی نے علم کلام کی تعریف "بدعت واجبہ" کی اصلاح سے کی ہے ' دیکھئے ابو کریا محی الدین بن شرف نووی (م ۶۷۶ ھ) ' تہذیب الاسماء و اللغات ' جلد ۱ ص ۲۲ ۔ ۲۳ ' دارالکتب العلمیہ ' بیروت ' بحوالہ نور احمد شاہتاز " الاصل فی الاشیاء الاباحۃ " در حکمت قرآن ' شمارہ اگست ۱۹۹۴ء ' لاہور ' ص ۱۱ ۔ نذیر نیازی صاحب مترجم تشکیل جدید نے بھی علم کلام کی تعریف نقل کی ہے ر ۔ ک ص ۳۲۷ ۔ نیز دیکھئے محمد اعلی تھانوی ' کشاف اصطلاحات الفنون ' سہیل اکیڈمی ' لاہور ' ۱۹۹۳ء جلد دوم ' ص ۱۲۷۲ جس کے مطابق "ھو علم من العلوم الشرعیہ المدونہ " ۔ نیز جلد اول ' ص ۲۲ پر اس کی تعریف یوں ہے :ھو علم یقتدر معہ علی اثبات العقائد الدینیہ علی الغیر بایراد الحجج و رفع الشبہ " ۔ منٹگمری واٹ ' اسلامی فلسفہ و کلام (انگریزی) ' ایڈنبرگ ' ۱۹۷۹ء یولفسن ' فلسفہ ء کلام ۔

۲۔ فلسفہ ء اسلام اور علم کلام کے مابین اس دوہرے عمل کی معنویت اور اثرات کے لیے دیکھئے سید حسین نصر "فلسفہ ' علم کلام اور تصوف " (انگریزی) مشمولہ اسلام کے روحانی پہلو ۔ مظاہر ' کراس روڈ ' نیویارک ' ۱۹۹۱ء جلد ہشتم ' ص ۳۹۳ ۔ ۴۴۶ ؛ "حکمت الہیہ اور کلام" (انگریزی) سٹوڈیا اسلامیکا ' ۳۴ (۱۹۷۱ء) ص ۱۳۹ ۔ ۱۴۹ ؛ "اسلام میں فلسفے کی حیثیت اور معنویت" (انگریزی) سٹوڈیا اسلامیکا ۳۶ (۱۹۷۳ء) ص ۵۷ ۔ ۸۰ ۔ نیز دیکھئے شبلی نعمانی ' علم الکلام و الکلام ' نفیس اکادمی کراچی ' ۱۹۸۷ء ۔ تصوف اور علم الکلام کے باہمی روابط اور تاثیر و تاثر کے عمل کا تاریخی مطالعہ ابھی اس پیمانے پر نہیں کیا گیا جیسا کہ اس موضوع کی اہمیت کا تقاضا ہے ۔

۳۔ رسالہ حمیدیہ کے مصنف سے لے کر قاسم نانوتوی ' اشرف علی تھانوی ' شبلی نعمانی اور ایوب دھلوی وغیرہ کے نام علماء کے چند نمائندوں کے طور پر پیش کئے جا سکتے ہیں ۔ جدید حضرات کی طرف سے سرسید اور سید امیر علی کے بعد اگلی نسل میں سب سے بڑا نام علامہ اقبال کا ہے ۔

M. I.A.P. 'The Reconstruction of Religious Thought in Islam Iqbal' 4 - Lahore '1989 edited and annotated by Shaikh Muhammad saeed.

اردو ترجمہ از سید نذیر نیازی ' تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ' بزم اقبال ' لاہور ' ۱۹۸۳ء

۵۔ ر۔ک: سعید احمد اکبرآبادی، خطبات اقبال پر ایک نظر، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، طبع ثانی، ۱۹۸۷ء ص ۱۱۔ یہ دعوی کرنے کے بعد سعید احمد صاحب نے اس فوقیت کے جو اسباب گنوائے ہیں، انہیں پڑھ کر یوں لگتا ہے کہ مصنف نے علم الکلام کی تاریخ کے بارے میں چند چلتے ہوئے خیالات بیان کر دیئے ہیں۔ نہ ان کے سامنے فلسفے، کلام اور تصوف کے روابط کا واضح نقشہ ہے نہ ان کے عہد بہ عہد تغیرات کا۔ دوسری طرف تشکیل جدید کی منہاج فکر کے بارے میں بھی صرف "مدلل مداحی" پر اکتفا کیا گیا ہے۔ بعض مفید توضیحات پیش کرنے کے باوجود ان کی تحریر سے علامہ کے اس طریق کار کی وضاحت نہیں ہوئی جو انہوں نے تشکیل جدید میں برتا اور جس کے استعمال سے تشکیل جدید میں وہ اختصاصی شان پیدا ہوئی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔

۶۔ سفر جنوبی ہند سے واپسی پر علامہ نے اس وقت تک کے تحریر کردہ خطبات علی گڑھ میں بھی پیش کئے تھے۔ جلسے کے صدر ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب جو ان دنوں شعبہ فلسفہ کے صدر تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا خطبہ صدارت ان کے شاگرد رشید اور ان کے فکری ورثے کے امین، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی وساطت سے ۵۵ سال بعد المعارف میں شائع ہوا۔ ر۔ک: المعارف خصوصی شمارہ ۳، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۵ء ص ۳۱۷۔

۷۔ حوالہ بالا، ص ۳۱۸۔ سرسید کی مقرر کردہ تعریف کا موازنہ عضد الدین ایجی کی تعریف سے کیجئے تو یہ امر عیاں ہو جاتا ہے کہ ایجی کے برعکس سرسید کلام کو بہت محدود اور وقتی ہنگامی ضرورت کے معنی میں برت رہے ہیں۔ مغربی سائنس اور فلسفے کو بیان واقعہ تسلیم کرنے کے فکری مقدمے کو اس تعریف میں کار فرما آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ سرسید کے مقدمات فکر کی اسی کمزوری کی طرف مولانا قاسم نانوتوی اور بعد ازاں اشرف علی تھانوی صاحب نے اشارہ کیا تھا۔ ر۔ک: قاسم نانوتوی، **تصفیہ العقائد**، ادارہ اسلامیات، لاہور؛ اشرف علی تھانوی، **اسلام اور عقلیات**، ادارہ اسلامیات، لاہور۔ انگریزی ترجمہ Answer to Modernism، دارالعلوم، کراچی۔ یہ مباحث عزیز احمد اور سی۔ ڈبلیو۔ نرول نے بھی اپنی کتب میں پیش کئے ہیں۔

۸۔ حوالہ بالا

۹۔ ایضاً

۱۰۔ ایضاً۔ دونوں اقتباسات کا اردو ترجمہ میرا کیا ہوا ہے۔ چونکہ یہ تحریر ہنوز کمیاب ہے، لہٰذا اس کی اہمیت کے پیش نظر متن کا مکمل ترجمہ اسی شمارے میں شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ اس خطبہ صدارت کے آخری حصے (ص ۳۱۹) میں ڈاکٹر ظفر الحسن صاحب نے اپنے طلبہ کو ترغیب دلائی تھی کہ وہ ان خطبات کی اشاعت کے بعد ان کا مطالعہ کریں۔ چونکہ علامہ کے افکار، بنیادی تصورات اور ان کی تفصیل و اطلاق ہر دو اعتبار سے، نئے اور اسی لیے

عسیر الفہم ہیں ' ان کا نہایت احتیاط سے مطالعہ کیجئے ۔ جو دشواریاں پیش آئیں ' انہیں میرے پاس لائیے ۔ مجھ سے جو ہو سکے گا' آپ کی مدد کے لیے کروں گا ۔ (ص ۳۱۹)

ہماری معلومات کی حد تک ان کے دو شاگردوں نے خطبات پر اعلیٰ درجے کا تحقیقی کام کیا ہے۔ ڈاکٹر عشرت حسن انور صاحب نے تشکیل جدید کو بنیاد بنا کر علامہ اقبال کے مابعد الطبیعیاتی افکار کا جائزہ لیا ۔ ان کے مقالے کا عنوان اقبال کی مابعد الطبیعیات (انگریزی) تھا۔ یہ کتابی شکل میں چھپ چکا ہے ۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب نے تشکیل جدید کے ہر خطبے کا تجزیہ ڈاکٹر ظفر الحسن صاحب کی آرا 'تبصروں اور تحقیقی رہنمائی کی مدد سے کیا اور یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ مذکورہ طریق تطبیق کے اطلاق سے جو منہاج علمی بنتی ہے ' اسے اختیار کرنے سے کتاب کے استدلال اور مباحث میں کیا کمزوری واقع ہوئی ہے اور اس عمل میں کس طرح کی مصالحت کرنا ایک ضرورت بن جاتا ہے ۔ فاروقی صاحب کا مقالہ ابھی غیر مطبوعہ ہے ۔

۱۱۔ شیخ عطاء اللہ ' اقبالنامہ ' جلد اول ' ص ۱۱ ۔ ۲۱۰

۱۲۔ سید نذیر نیازی (مترجم) تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ' بزم اقبال ' لاہور ' ۱۹۸۳ء ص ۳۹۔

۱۳۔ حوالہ بالا ۔ ص ۴۰ ۔

۱۴۔ اقبال نامہ ' محولہ ماقبل ' ص ۴۶

۱۵۔ طبیعیات ' حیاتیات اور نفسیات کا موضوع بالترتیب مادہ ' حیات اور شعور کے مظاہر ہیں ۔ طبیعیات مادی مظاہر کی ' حیاتیات نامیاتی مظاہر کی اور نفسیات شعوری مظاہر کی توجیہ و تعلیل کرتی ہے ۔ ہر شعبہ ء علم کے چند مسلمہ مقولات یا اصول ہائے تعلیل ہوتے ہیں جن سے ان مظاہر کی توجیہ کی جاتی ہے ۔ ان کو تسلیم کر کے یہ علوم آگے بڑھتے ہیں ۔

طبیعیات کے مقولات یہ ہیں :مادہ ' علت ' معلول ' کمیت ' کیفیت ' حرکت ' قوت ' مکان ' زمان ' عدد ۔ حیاتیات کے مقولات ہیں :انجذاب ' نمو ' جزو سے کل اور کل سے جزو کی پیدائش ' انفرادیت اور از خود حرکت ۔ نفسیات میں مقولات ہیں : شعور ' نفس ' جذبہ ' ارادہ ' ادراک وغیرہ ۔ ان میں سے ہر ایک کا ایک مفروضہ ہے جس سے اس کے مدلولات کی توجیہ ہوتی ہے ۔ طبیعیات کا مفروضہ میکانکی علمیت ' حیاتیات کا مفروضہ ارتقاء اور نفسیات کا مفروضہ علمیت غائی کہا جا سکتا ہے ۔

اپنے اپنے شعبہ علم کے مقولات اور مفروضات کی بنیاد پر اور ان بنیادی تصورات کے سہارے ہر شعبہ اپنا تصور کائنات قائم کرتا ہے اور اس کے دوران اپنے مقولات کا تمام حدود و قیود سے آزاد اطلاق کرنے کا میلان رکھتا ہے ۔ مثلاً طبیعیات کا امور حقیقت مادہ '

علت و معلول اور میکانکی تعلیل وغیرہ کے مقولات سے مرکب ہے۔ اگر انہی مقولات کے سہارے حیات و شعور دونوں کو مادے سے نمو پذیر ہوتے دکھایا جائے تو یہ طبیعیات کے مقولات کا جائز حدود سے باہر اطلاق کرنا قرار پائے گا۔ اسی طرح اگر حیاتیات اپنے فکری مقولات کو جوش اطلاق میں ان اقالیم پر وارد کرنے کی کوشش کرے جہاں ان کے ذریعے تردید ممکن نہیں تو بھی ایک فساد فکر اور خلط مبحث کا آغاز ہو جائے گا۔

۱۶۔ اس مرکزی خیال اور اس کے مقدمات و مضمرات میں موجود فکری جھول کی تنقید کے لیے ر۔ک: شیخ عیسیٰ نور الدین (فرتھجوف شواں) منطق اور متعالی (انگریزی) لندن، ۱۹۷۵ء، ص ۳۳۔۵۵ (بالخصوص صفحہ ۳۶)

۱۷۔ ارسطو کے زیر اثر کانٹ نے مقولات کو تسلیم کیا اور ان کو چار گروہوں میں تقسیم کیا، یعنی کمیت، کیفیت، نسبت اور وضع (Modalit)۔ ارسطو کے ہاں چوتھا مقولہ Position یا مکان کا تھا۔ یہاں یہ پیش نظر رہے کہ کانٹ نے ارسطو کے تصور مقولات کو ایک موضوعی چیز بنا دیا ہے۔

۱۸۔ ر۔ک: تشکیل جدید.... (انگریزی) محولہ ماقبل، ص ۱۲۔ نیز دیکھیے صفحہ ۱۴، ۱۲۴۔

۱۹۔ ر۔ک: بخاری، الصحیح، "جنائز" ۷۹، "شہادہ" ۳۔ "جہاد" ۱۶۰، ۱۷۸؛ مسلم، الصحیح، باب فتن۔ بحوالہ تشکیل جدید..... (انگریزی) محولہ ماقبل، حواشی و تعلیقات از شیخ محمد سعید، ص ۱۶۰۔

۲۰۔ ر۔ک: تشکیل..... (انگریزی) صفحات ۱۴، ۱۵، ۱۷، ۷۲، ۸۱، ۸۴، ۸۹، ۹۰۔ واضح رہے کہ ولیم جیمز نے جو یہ سارے واقعات اکٹھے کئے ہیں، ان کا شمار صرف اقلیم روانی کے مظاہر ہی میں ہو سکتا ہے اور اس کو پرانی اصطلاح کے مطابق صرف خرق عادت قرار دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً طویل فاصلے سے کسی واقعے کی آگاہی، کسی واسطے کے بغیر ابلاغ فکر، ہونے والے واقعے کا قبل از وقوع علم، کسی شخص کے خیال یا نفسی کیفیت کا علم (کشف خواطر) وغیرہ اس طرح کے مظاہر کا تعلق صرف افقی جہت سے ہے اور یہ اقلیم روانی Psychic Domain کے اندر عمل پذیر ہوتے ہیں۔ ان کے وقوع اور ان کی تصدیق سے یہ لازم نہیں آتا کہ ذات باری کے ضمن میں بھی وجدانی تجربے یا وقوف مذہبی کا جواز پیدا ہو جائے۔ علامہ کے مخاطبین ادراک بالحواس کے اسیر ہیں۔ علامہ نے اس نازک فرق کو ان کے لیے مناسب حال نہ سمجھتے ہوئے بیان نہیں کیا اور صرف عمومی تصور منتقل کیا ہے۔

۲۱۔ تشکیل جدید..... (انگریزی) محولہ ماقبل، ص ۱۰۱

۲۲۔ ایضاً۔ نیز دیکھیے صفحات ۱۳۔۱۹، ص ۱۰۰

IqbalCyberLibrary.net All rights reserved

۲۳۔ قرآن : سورہ ۲۲ ۔ آیت ۵۲ ۔ علامہ کی دلیل کے لیے دیکھیے تشکیل جدید..... (انگریزی) ص ۱۹۔

۲۴۔ اس کی طرف مختصر اشارات کے لیے دیکھئے سید نذیر نیازی (مترجم) تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ (اردو) محولہ ماقبل، ص ۳۵ نیز حاشیہ ۱۱۲۔ آیت کے تراجم کے لیے ر۔ ک اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، تاج کمپنی، ص ۸ ۔ ۴۰۷ ؛ پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، لاہور، ۱۳۹۹ھ، جلد چہارم، ۲۲۷۔ قدیم مفسرین نے بھی وہی مفاہیم دیئے ہیں جن کا نمونہ مذکورہ بالا دو مفسرین کی تفسیروں میں ملتا ہے ۔ علامہ کا بیان کردہ ترجمہ اور مدلول آیات ان سب سے مختلف ہے ۔

۲۵۔ تشکیل جدید ..... (انگریزی) محولہ ماقبل، ص ۲۱ ۔ ۲۰

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ ڈاکٹر فضل الرحمان نے اسی چیز کو محسوس کرتے ہوئے تبصرہ کیا تھا کہ علامہ نے تشکیل جدید میں اپنے معاصر سائنسی اور فلسفیانہ نظریات کو کچھ زیادہ ہی سنجیدگی سے قبول کر لیا ہے ۔ (ان کا یہ تبصرہ ہم نے اسلام اور جدیدیت (انگریزی) میں پڑھا تھا۔ سردست حوالہ حافظے کی مدد سے دیا گیا ہے ۔ وقت کی کمی کی وجہ سے کتاب دستیاب نہیں ہو سکی ۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ امر البتہ نظر انداز کر دیا کہ ان مغربی معاصرین کے افکار کو نہایت سنجیدگی سے برتنے اور ان کو اہمیت دینے کا تقاضا اس طریق کار میں کی تعبیر میں مضمر ہے جس کو علامہ نے تشکیل جدید میں اختیار کیا تھا اور جو ان کی نظر میں مصلحت وقت اور مخاطبین کی استعداد و افتاد فکر کے لیے مناسب ترین تھا۔

۲۸۔ اقبال، سہ ماہی مجلہ بزم اقبال، لاہور، جلد ۴۱، شمارہ ۳، (جولائی ۱۹۹۴ء) ص ۱ ۔ ۱۷۔

۲۹۔ جو امر ابھی محتاج ثبوت ہو، اس کے وجود سے استدلال کرنا فلسفیانہ تضاد کے مترادف ہے۔ جو چیز اپنے آپ پر منتج ہوتی ہو، اسے اصطلاحاً "دور" کہا جاتا ہے ۔ عشرت حسن انور صاحب کی دلیل میں بھی یہاں یہی خامی ہے کہ اس سے "دور" لازم آتا ہے ۔

۳۰۔ یہ اصطلاحات بالترتیب نذیر نیازی صاحب اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب نے استعمال کی ہیں (مذہبی مشاہدہ، واردات مذہبی، واردات باطنی، وقوف سری، وقوف مذہبی) اور ان سب کا مدلول وہی ہے جو پرانی اصطلاح میں وحی یا علم بالوحی کے الفاظ سے ظاہر کیا جاتا ہے ۔ نیز Religious experience کا ترجمہ علم بالوحی کے الفاظ سے کرنے کی تجویز خود علامہ اقبال کی تھی (دیکھئے نذیر نیازی، تشکیل جدید (اردو) متن ۔ ص ا، نیز مقدمہ)۔ اس سے واضح ہوا کہ یہاں جو امر زیر بحث ہے اور جسے ثابت کرنا مقصود ہے، وہ وحی خداوندی کا مافوق الطبعی مظہر ہے جسے ان کے مخاطب، نفسیات جدیدہ کے اثرات کے تحت، احتمال

حواس یا ذہنی مرض سے تعبیر کر رہے تھے۔

۳۱۔ ر۔ک: عشرت حسن انور، محولہ ماقبل، ص ۱۳۔ "اقبال کا مذہبی تجربے کے انکشافات کی نظری آزمائش، ایک دفاعی نظام ہے جس سے وہ ان تمام کاوشوں کو روک دینا چاہتے ہیں جن سے تمام ادیان کی اساسی وحدت (کے شعور) کو فروغ ملتا ہے" ۔۔۔ مزید دیکھئے ص ا سطر ۸، ۱۷، ۲۶۔ ص ۸ سطر ۲۵، ۳۲، ۳۸۔ ص ۹ سطر ۱۲، ۲۵، ۳۱۔ ص ۱۲ آخری پیراگراف۔ ص ۱۴ سطر ۵۔

۳۲۔ ر۔ک: عشرت حسن انور، محولہ ماقبل، ص ۱۴۔ سطر ا۔ ۱۳

۳۳۔ انور صاحب نے اس جگہ Mental Science کا لفظ برتا ہے اور اس کی مثال کے طور پر یوگ کا نام لیا ہے۔ اس پر گفتگو اپنے مقام پر ہو گی۔

۳۴۔ دیکھئے نوٹ نمبر ۳۲۔

۳۵۔ یہ عشرت حسن انور صاحب کا موقف ہے۔

۳۶۔ مثلاً دیکھئے تشکیل جدید (انگریزی) محولہ ماقبل، ص ۱۳، ۲۶، ۱۴۲ و دیگر۔ اسی طرح شعور کے مراتب اور عقل جزئی کے علاوہ اسالیب شعور کا ذکر بھی تشکیل جدید میں بارہا آیا ہے لیکن ان دونوں نکات کو باقاعدہ مفصل اور مدلل انداز میں استعمال نہ کیا جانا اس بات کا ثبوت نہیں کہ علامہ ان سے بے خبر تھے۔ وہ اپنے اختیار کردہ اصول تطبیق کے تقاضے ملحوظ رکھتے ہوئے مخاطب کی عقل کی رعایت سے کلام کر رہے تھے اور یہ نکتہ ڈاکٹر عشرت حسن انور صاحب نے نظرانداز کر دیا۔ انور صاحب کی بات اس حد تک البتہ درست ہے کہ اگر کوئی تجربہ نسل انسانی کا اس کی ساری معلومہ تاریخ میں مشترکہ ورثہ اور مشترکہ تجربہ رہا ہے تو اس تاریخی اشتراک کو اس کے وجود، صداقت و حجیت کے لیے بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر اولاد آدم ساری تاریخ میں عہد حاضر سے پہلے فریب کا شکار تھی اور اپنی نفسیاتی خود فریبی (جنسی داعیات کا ترفع، لاشعور کے سائے وغیرہ وغیرہ) کو مذہب کا رنگ دیتی رہی تھی یا مختلف سماجی، جغرافیائی اور اس نوع کی دیگر ضروریات کی وجہ سے مذہب کے اختراع و اختیار کا عمل کرتی رہی تھی تو آج انسان بدل نہیں گیا۔ اگر کل تک کی ساری معلومہ تاریخ میں وہ ایک اجتماعی مغالطے کا شکار تھا تو اب آئندہ بھی اس کے لیے اس سے نکلنے کی کوئی امید نہیں کی جا سکتی۔

۳۷۔ ر۔ک: عشرت حسن انور، محولہ ماقبل، ص ا

۳۸۔ حوالہ بالا، ص ا، ۲، ۶، ۸

۳۹۔ حوالہ بالا، ص ا

۴۰۔ یہاں انور صاحب نے انگریزی کی ترکیب Narrow escape استعمال کی ہے جو اس معنی میں صحیح معلوم نہیں ہوتی بلکہ صریحاً خلاف محاورہ ہے۔

۴۱۔ عشرت حسن انور، محولہ بالا، ص اسطر ۸۔۹

۴۲۔ ایضاً سطر ۱۲۔

۴۳۔ "ان کی دانست میں" کے الفاظ سے ہمارا اشارہ اس نزاکت کی طرف ہے جو اس مبحث میں پائی جاتی ہے۔ دیگر ادیان کی حیثیت، حقانیت اور ظہور اسلام کے بعد حجیت کا مسئلہ اس طرح کی پیش پا افتادہ باتوں سے حل نہیں کیا جا سکتا جو انور صاحب نے ان سطور میں پیش کی ہیں۔

۴۴۔ تشکیل جدید (انگریزی) محولہ ماقبل، ص ۲۱۔۲۲

۴۵۔ ہمارا اشارہ ان خطوط، مکالمات اور اشعار کی طرف ہے جن میں علامہ نے وحی لفظی کا اثبات کیا ہے اور یہاں ہم ان کو تفصیلات پیش نہیں کر سکتے۔

۴۶۔ یہ لفظ اس اقتباس ہی میں نہیں کئی اور مقامات پر بھی اسی حقیقت یا اسی عمل کو ظاہر کرنے کے لیے برتا گیا ہے۔ دیکھئے تشکیل جدید (انگریزی) محولہ ماقبل، ص ۲۶، ۱۷، ۱۸۔ ان سب مقامات پر اس لفظ سے ایک اشتباہ پیدا ہوتا ہے جسے علامہ کے مجموعی موقف اور پورے تناظر کے حوالے سے حل کرنا ضروری ہے۔

۴۷۔ نذیر نیازی صاحب نے اس پر مفصل نوٹ لکھنے اور متعدد امکانات کا تذکرہ کرنے کے بعد (ص ۳۵۷) اس کا ترجمہ "کیفیت احساس" کی ترکیب سے کیا ہے، جبکہ علامہ کے دیگر اقتباسات کی روشنی میں اس کا ترجمہ "مرتبہ و انفعال" یا "مرتبہ و احساس" بھی ہو سکتا تھا۔

۴۸۔ نصراللہ پورجوادی، رنکلسن، مثنوی مولانا روم، تہران ۱۳۶۳۔ دفتر دوم، اشعار ۴۳۔۵۲، ۶۵۔۶۷، ۷۲۔۷۳، ۹۴۔۹۷

۴۹۔ تشکیل جدید (انگریزی) محولہ ماقبل، ص ۱۳۔ اسی عبارت میں آگے چل کر علامہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "دیگر درجات شعور" کوئی مبہم، مخفی اور جذباتی چیز نہیں ہیں۔ اس سے بھی واضح اشارہ ملتا ہے کہ Feeling کے لفظ سے ان کی مراد کیا ہو سکتی ہے۔

۵۰۔ تشکیل جدید (انگریزی) ص ۱۴

۵۱۔ ایضاً۔ ص ۱۸

۵۲۔ صوفیاء کی اصطلاح میں اسی مفہوم کو ذوق (چکھنا) کے لفظ سے سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے کیونکہ اس عمل کی مماثلت حواس کے براہ راست عمل سے زیادہ اور خرد یا عقل جزئی کے

بالواسطہ اور محتاج غیر وسیلے سے کم ہے۔

۵۳۔ تشکیل جدید (انگریزی) محولہ ماقبل، ص ۱۴۴

۵۴۔ حوالہ بالا، ص ۱۲۔ یہ سب سے گہری اور چند خاص انسانوں تک محدود سطح شعور (فلاسفہ کی اصطلاح میں اسی کو شاید عقل مستفاد کہا جاتا ہے) عمل وحی کے لیے آلہ حصول کی حیثیت رکھتی ہے جیسا کہ قرآن مجید کی متعلقہ آیات سے پتا چلتا ہے۔

۵۵۔ حوالہ بالا، ص ۱۴۳۔ اگر نقل، عقل اور کشف کے تین ادوار کو زمانی تسلیم کیا جائے اور ان کا ظہور بالترتیب مانا جائے تو اس اقتباس میں کچھ مسائل جنم لیتے ہیں جن کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں۔

۵۶۔ دو ذیلی نکات کی تنقیح البتہ مناسب ہوگی۔ مقالے کے آخری پیراگراف میں انور صاحب نے تشکیل جدید (ص ۱۴۳) سے علامہ کے اس فقرے کا حوالہ دیا ہے جو اصل میں ان کے والد کا قول تھا لیکن اسے "ایک صوفی کا قول" کہا گیا تھا۔ اس فقرے کو انور صاحب نے اس معنی میں لیا ہے کہ اس کیفیت مقصودہ سے علامہ کا اشارہ یوگا کی طرح کی ذہنی مشقوں یا ارتکاز توجہ کے عمل کی طرف ہے جبکہ اس سے متعلق متون دیکھنے اور اسے علوم دینی کے حوالے سے جانچنے سے یہ کہنا زیادہ قرین حقیقت ہوگا کہ یہاں علامہ یہ بتا رہے ہیں کہ قرآن کی ایک جہت محسوس ہے اور ایک جہت معقول۔ اس کا فہم پیدا کرنا بھی مطلوب ہے اور اسے محسوس کرنا بھی مقصود ہے۔ ان دونوں جہات میں رسول کی ذات امر زائد نہیں ہے۔ قرآن کو سمجھنے اور محسوس کرنے کے تمام سانچے، اپنی تاریخی سند کے ساتھ، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دے دیئے۔ ان میں مشارکت کرنا ان دونوں جہات عمل کی سطح بلند کرنا اور ان کو معتبر بنانے کے مترادف ہے۔

مقام تعجب بلکہ مقام افسوس ہے کہ انور صاحب نے اس سلسلے میں ہندو یوگ کے تصور سے بھی انصاف نہیں کیا۔ پہلے تو اس کے بیان کے لیے رادھا کرشنن کی سند لے آئے جو مغربی فلسفے کے سانچوں اور معیارات کے مطابق ہندومت کے روایتی تصورات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی پاداش میں ناقابل اعتبار ہو چکے ہیں۔ دوم یوگ کا مقصد یہ بتایا کہ "اس سے عام انسانی تجربے کی حدود سے باہر نکلنا ممکن ہو جاتا ہے"!

۵۷۔ یہ تقاضے کئی طرح کے ہو سکتے ہیں مثلاً ہندو معاشرے کا سماجی دباو، یونیورسٹی کی نوکری کے مسائل، سیاسی مصلحت یا محض اپنی بقا کی قیمت۔

۵۸۔ یہ شعر افتخار عارف کا ہے جو ان کی اجازت سے استعمال کیا جا رہا ہے۔

اقبال اکادمی پاکستان، لاہور کی
۹ نومبر ۱۹۹۴ء تک آنے والی کتب

۱۔ تصوراتِ عشق و خرد (طبع سوم) از: ڈاکٹر وزیر آغا

۲۔ پس چہ باید کرد مع مسافر (منظوم پنجابی ترجمہ) از: احمد حسین قلعدار ی

۳۔ اقبال اور قرآن (طبع سوم) از: ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان

۴۔ افکارِ اقبال تشریحاتِ جاوید از: ڈاکٹر جاوید اقبال

۵۔ **Poems from Iqbal**
by : Victor Kiernan

۶۔ **Speeches, Writings and Statements of Iqbal**
by : L. A. Sherwani

All rights reserved ©2002-2006

کلیاتِ مکاتیبِ اقبال (جلد سوم) ـــــ ایک جائزہ

ڈاکٹر تحسین فراقی

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

یوں تو اردو میں علمی و تحقیقی نوعیت کی متعدد کاوشیں وجود میں آ چکی ہیں اور آتی رہتی ہیں اور ان میں ایسے منصوبے بھی تکمیل پاتے رہتے ہیں جن کا تعلق تدوین متن کے ساتھ ہے لیکن اگر ان تحقیقی و تدوینی کارناموں کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے یعنی استقراء اور خوئے احتیاط دونوں کے امتزاج سے مرتب و مربوط نگاہ ان کاوشوں کا تجزیہ کرے تو یقین ہے کہ کئی جلدوں پر مشتمل ایک جدید "عبرت الغافلین" وجود میں آ جائے۔

قاضی عبدالودود جیسے نامور محقق کو تو یہی شکوہ ہے کہ ہندوپاکستان میں اردو کی قدیم کتابوں کے جو متن شائع ہوئے ہیں وہ بہ استثنائے چند حد درجہ نا اطمینان بخش ہیں کیونکہ وہ مرتبین کی بصیرت کی کمی اور بے پروائی کے مظہر ہیں۔ مگر قدیم متون ہی پر کیا موقوف ہے' معاصر متون کی تدوین بھی' مستثنیات سے قطع نظر' اسی بے بصیرتی' بے احتیاطی اور فکری افلاس کا پتہ دیتی ہے جس کا ماتم قاضی صاحب موصوف نے کیا ہے۔

بدقسمتی سے تیسری دنیا اور معاصر مسلم منظرنامہ اس افسوسناک صورت حال کا بدترین نقشہ پیش کرتا ہے۔ عہد زوال میں قوموں کے ضمیر بدل جاتے ہیں اور عجلت پسندی' فوری نتائج کی للک' کوتاہ بینی اور قلیل پر قناعت کے میلانات ان کے خون اور خمیر میں داخل ہو جاتے ہیں۔ "کاتا اور لے دوڑی" کا تعجیل پسندانہ رجحان تخلیقی اور تحقیقی ہر دو میدانوں میں نئے عبرت ناموں کی داغ بیل ڈال رہا ہے اور یہ رجحان روز افزوں ہے۔ کبھی کبھی تو احساس ہوتا ہے کہ مسلم اکابر کی وہ دیوزادوں کی نسل شاید ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئی جن کے کارنامے اہل اسلام کے لیے باعث فخر تھے اور اہل یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں موید ہوئے۔

یہ بدیہی امر ہے کہ قدیم متون اپنے املا اور الفاظ و اصطلاحات کی قدامت اور غلط نویسوں کی غلط نویسی کے باعث' نیز نقل در نقل کے عمل کے نتیجے میں غیر معمولی تدوینی مشکلات کا باعث بنتے ہیں اس لیے مرتب ایک درجے میں معافی کے قابل ہوتے ہیں مگر اس کا کیا کیا جائے کہ کسی معاصر مصنف کے دست نوشت خطوط یا دیگر تحریریں تدوین متن کے مرحلے سے گزریں مگر "من چہ می سرایم و طنبورۂ من چہ می سراید" کی افسوسناک اور مضحکہ خیز صورت حال پیدا ہو جائے اور اصل تحریروں کے فوٹو اسٹیٹس کے پیش نظر ہونے کے باوجود معاملہ یہ ہو کہ عکس اور نقل حرفی بعینہٖ بُعدالمشرقین پیدا ہو جائے۔ اس سلسلے میں کلیات مکاتیب اقبال" کی مثال حد درجہ افسوسناک ہے۔ اب تک تین جلدوں میں شائع ہونے والی یہ "نیم کلیات' تدوین متن کے ذیل میں مرتب کی چند در چند کوتاہیوں' نارسائیوں' اور تحقیقی اصول و ضوابط سے حد درجہ ناواقفیت کا پتہ دیتی ہے۔ زیر نظر جائزہ اس کلیات کی تیسری جلد سے متعلق ہے مگر بے محل نہ ہو گا اگر اس کی پہلی دو جلدوں کی صرف چند فاش غلطیوں کی نشاندہی بھی کر دی جائے ورنہ چھوٹی چھوٹی غلطیاں تو سینکڑوں تک پہنچتی ہیں اور ان میں اکثر کی نشاندہی

بعض تجزیہ نگار کر چکے ہیں۔ "کلیات مکاتیب اقبال" کے مرتب سید ظفر حسین برنی اگرچہ خود کوئی نمایاں علمی شخصیت نہیں رہے مگر انہیں ڈاکٹر نثار احمد فاروقی جیسے اہم اہل قلم کی معاونت موقع بہ موقع حاصل رہی ہے۔ علامہ کے خطوط کے عکوس کی ایک بڑی تعداد حاصل کرنے کے لئے ڈاکٹر صاحب موصوف ۔ نفر، نفیر، لاہور آئے اور اقبال اکیڈمی سے علامہ کے خطوط کے عکس حاصل کرکے دلی لے گئے۔ ان عکوس سے بلاشبہ مدد بھی لی گئی مگر اکثر مقامات پر احساس ہوتا ہے کہ عکوس شامل کتاب تو کیے گئے مگر ان سے استفادہ بہت کم کیا گیا۔ نقل حرفی ان عکسوں سے کرنے کے بجائے ان غلط سلط متون سے کی گئی جو قبل ازیں علامہ کے خطوط کے مختلف مجموعوں کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں بہرحال پہلی جلد کی چند فاحش اغلاط ملاحظہ ہوں:

سب سے پہلے تو سید سلیمان ندوی کے نام 13 نومبر 1917 کا علامہ کا وہ خط قابل ملاحظہ ہے جس کی وجہ سے اقبال کو تصوف دشمن ثابت کیا جاتا رہا حالانکہ اقبال کی طبیعت کا فطری میلان تصوف کی طرف تھا وہ خود سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔ ان کے شعری اظہارات کے علاوہ کشن پرشاد شاد کے نام ان کے متعدد مکاتیب بھی ان کے تصوف دوست ہونے کی زندہ برہان ہیں۔ ہاں ان خطوط میں وہ تصوف وجودیہ کی مخالفت متعدد مقامات پر کرتے ہیں۔ ایسا شخص جو تصوف کی ایک متعارف شکل کا مخالف ہو مخالف تصوف کیسے ہو سکتا ہے۔ یہی خلش دل میں لئے جب راقم السطور نے سید سلیمان ندوی کے نام مذکورہ بالا مکتوب کو غور سے پڑھا تو کلیات مکاتیب اقبال جلد اول کی نقل حرفی اور عکس کی عبارت میں بعد المشرقین نظر آیا:

کلیات مکاتیب اقبال جلد اول ۶۷۳

کا غلط اور گمراہ کن متن	صحیح متن
"تصوف کا وجود ہی سرزمین اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جس نے بھیوں کی دماغی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے۔"	"تصوف وجودی سرزمین اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جس نے بھیوں کی دماغی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے۔"

انہی سید سلیمان ندوی کے نام ایک اور مکتوب ملاحظہ ہو۔ یہ مکتوب ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو لکھا گیا۔ اس مکتوب کا کامل عکس "کلیات مکاتیب" میں شامل ہے مگر اس کے باوجود عکس اور نقل حرفی کا بعد قابل افسوس ہے۔ ملاحظہ ہو:

کلیات مکاتیب اقبال جلد اول کا غلط متن ۷۶۲، ۷۶۵	صحیح متن
(۱) از گل غربت زبان گم کردہ	از گل غربت زباں گم کردہ
(۲) جو خواب دیکھا گیا بقیہ اسی طرح لظم کر دیا گیا۔	جو خواب دیکھا گیا بعینہ اسی طرح لظم کر دیا گیا۔
(۳) بہت سے الفاظ جن کو اساتذہ نے تحریک و سکون دونوں طرح استعمال کیا ہے، انہوں نے کمی کر دی	بہت سے الفاظ جن کو اساتذہ نے تحریک و سکون دونوں طرح استعمال کیا ہے۔ انہوں نے یکجا کر دئے ہیں مثلاً

ہے سٹہ "رَبِّ اَرِنی .... متوازی	رَبِّ اَرِنی .... متوازی
(۴) جواہر الترکیب میں چار دفعہ .سکون لام آیا ہے	جوہر الترکیب میں چار دفعہ .سکون لام آیا ہے۔

پروفیسر محمد اکبر منیر کے نام علامہ کا ۲ جنوری ۱۹۲۸ کا خط بھی اسی جلد اول میں ۲۹۳ [?] پر قابل ملاحظہ ہے جس میں پوری بارہ سطریں شامل ہونے سے رہ گئیں۔ یہ خط انگریزی میں لکھا گیا تھا۔ شامل نہ ہو سکنے والی عبارت درج کی جاتی ہے جو فکری حوالے سے بھی بہت چشم کشا ہے:

"It is, therefore, primarily reflection which gives us an insight into the poetic meaning of our observation and experience, and indicates to us the right outlook on life. A poet is essentially a seducer, whose art may lead us either to life or to death. God has vouchsafed to him the skill to make things look more beautiful than they really are ___, but it is for him to use this power ___ dangerous as it is ___ in the proper manner. If he beautifies the ugly and glorifies dreary, he is sure to land his people into the valley of inaction and death. There have been among us poets, who have, to our great misfortune done this, and all the guidance that I can give you is this ___ avoid their company.

Hoping you are well and thanking you for your kind letter.

Yours Sincerely,
Mohammad Iqbal, Lahore. [۱]

تدوین متن کے متعدد اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے' اور حد درجہ اہم کہ اصل متن میں اگر کچھ اضافے کسی مرتب کاتب یا کسی اور شخص نے کر دیے ہوں تو انہیں متن ہی میں شامل کرنے کے بجائے حاشیے میں شامل کیا جائے۔ کلیات مکاتیب کے مرتب نے اسی جلد اول کے ۵۴۰ [?] کے ایک خط کی نقل حرفی میں ایک شعر اسی طرح شامل رہنے دیا ہے جو کسی دوسرے لکھنے والے نے دست نوشت خط میں شامل کر دیا تھا۔

شعر یہ ہے:

بعد مردن ہمو معلوم شود رنج حیات
رہرو آں لحظہ بنالد کہ بمنزل برسد

---

۱ "نقش اقبال و تیغ ہلال" (مرتبہ پروفیسر اکبر منیر) (ص ۲۵)

مرتب کا ایسا کرنا مدوین متن کے اصولوں سے اس کی ناواقفیت کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔

کلیات مکاتیب اقبال جلد دوم میں بھی بہت سی فروگذاشتیں ہیں۔ یہاں "مشتے نمونہ از خروارے" کے مصداق صرف چند ایک کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

کلیات مکاتیب کی اس دوسری جلد کے صفحہ ۱۷۵ پر ایک مکتوب ۲۱ اپریل ۱۹۳۰ء کا پروفیسر محمد اکبر منیر کے نام ہے۔ یہ مکتوب اس اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں اقبال نے پروفیسر موصوف کے استفسار پر فلسفے کی ان چار کتب کی نشاندہی کی تھی جو اقبال کے خیال میں پروفیسر صاحب کو مطالعہ کرنی چاہییں۔ اقبال نامہ (جلد دوم) کے مرتب نے کم از کم نوٹ تو لکھ دیا تھا کہ "اس کے بعد چار انگریزی کتابوں کے نام درج ہیں"۔ (گو کتابوں کے نام بوجوہ حذف کر دئے گئے تھے) مگر برنی صاحب نے نوٹ دینے کی بھی زحمت نہیں کی کہ کتب کے اندراج کا تو سوال ہی کیا تھا۔ ذیل میں ان چار کتب کے نام درج کئے جاتے ہیں۔ اپنے زمانے میں فلسفے کے طالب علموں کے لئے یہ کتب یقیناً اہم رہی ہوں گی۔ ان کے نام جاننا (بلکہ ان کا مطالعہ بھی) اس اعتبار سے بھی ضروری ہے کہ یہ خود اقبال کے مطالعہ سے بھی گزری ہوں گی اور ہو سکتا ہے کہ ان کا مطالعہ اقبال کی فکریات پر ان کتب کے بعض اثرات کا کھوج لگانے میں بھی معاون ہو۔ کتب یہ ہیں:

1) Roger's "Problems of Philosophy"
2) Fullerton's "Introduction to Philosophy"
3) "History of Philosophy (Windelband)
4) "History of Philosophy" (Weber)[1]

تدوین متن کے باب میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ صاحب متن کی افتاد مزاج، اس کے اسلوب نگارش اس کے افکار و خیالات، اس کی ترجیحات اور متن زیر تدوین کی خصوصیات و موضوعات اور اس کے طرز املاء کی بوالعجبیوں یا خصوصیتوں سے تدوین کار کا بخوبی واقف ہونا ضروری ہے۔ ان ضروری مطالبات کی روشنی میں جب ہم برنی صاحب کی زیر نظر کاوش کا جائزہ لیتے ہیں تو قدرتاً مایوسی ہوتی ہے۔ مثلاً اسی "کلیات مکاتیب جلد دوم" کے ایک مکتوب بنام ماسٹر عبداللہ چغتائی مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۲۶ء ہی کو لیجئے۔ اس مکتوب میں ساری گفتگو ہی ہندوستانی مصوروں کے حوالے سے ہو رہی ہے۔ پھر بنگالی اسکول کی مصوری کا ذکر آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مکتوب زیر نظر کا مرکزی موضوع مصوری ہے۔ ایسے میں خط کا آخری جملہ چونکاتا اور اپنے بے ربط اور بے محل ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ جملہ یہ ہے "اس کے علاوہ نقشوں کے آرٹ پر اگر کوئی کتاب ہو تو وہ بھی لائیے"۔ سوال یہ ہے کہ مصوری کے ساتھ نقشوں کا آرٹ یعنی چہ؟ مرتب کو یہ نہیں سوجھا کہ یہاں اقبال نقشوں کے آرٹ کا نہیں مغلوں کے آرٹ یعنی مغل منیاتور "Mughal Miniature" کا ذکر کر رہے ہیں۔ عکس میں اگرچہ "مغلوں" صاف نہیں پڑھا جاتا مگر یہ لفظ اس کے سوا اور کچھ ہو نہیں سکتا کیونکہ سیاق کلام میں "مغلوں" ہی کا محل بنتا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ عکس کے ہوتے ہوئے بھی مرتب نے اسے توجہ سے پڑھنے کے بجائے اقبال نامہ ہی کا غلط متن (جلد دوم ۳۳۲) بہ تمام و کمال نقل کر لیا۔

---

[1] "نقش اقبال و تخ ہلال" (مرتبہ پروفیسر اکبر منیر) (ص ۶)

اسی جلد میں ماسٹر عبداللہ چغتائی ہی کے نام ایک اور خط ہے جس کی تاریخ مرتب نے ۳۰ اپریل ۲۷ء درج کی ہے اور اس پر اصرار کیا ہے۔ میری تحقیق کے مطابق تیس اپریل صریحاً غلط ہے اور صحیح تاریخ وہی ہے جو اقبال نامہ جلد دوم میں درج ہے یعنی بیس اپریل اور جسے مرتب نے غلط قرار دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مرتب کے پاس اس مکتوب کی عکسی نقل نہیں تھی۔ اس عکسی خط کی پشت پر لاہور کے ڈاکخانے کی مہر ۲۰ اپریل ۲۷ء صاف پڑھی جاتی ہے۔ یہ عکسی نقل راقم کے ذخیرہ نوادر میں موجود ہے اور زیر نظر مضمون میں اس کا عکس شامل اشاعت ہے۔

چونکہ پیش نظر مضمون میں "کلیات مکاتیب اقبال" کی پہلی دو جلدوں کا نہیں صرف تیسری جلد کا مفصل جائزہ لینا مقصود ہے اس لئے پہلی دو جلدوں سے چند نمونے پیش کرنے کے بعد اب تیسری جلد کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ تیسری جلد ۱۹۹۳ء کے اواخر میں شائع ہوئی ہے۔ اس جلد میں جنوری ۱۹۳۹ء سے دسمبر ۱۹۳۴ء تک کے مکاتیب تاریخی ترتیب سے شامل کئے گئے ہیں۔ ان مکاتیب کی تعداد بقول مرتب چار سو چھے ہے اور دست نوشت خطوط کی عکسی نقول کی تعداد ایک سو اسی ہے۔ گویا یہ عکس زیر نظر جلد میں شامل کل مکاتیب کا چوالیس فیصد ہیں۔ اتنی تعداد میں عکوس کا حصول و شمول اپنی جگہ کتنا ہی قابل مبارک باد سہی' المیہ یہ ہے کہ ان عکسوں سے بہت کم فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ برنی صاحب یا ان کے معاونین نے اکثر عکس شامل کتاب تو کر لئے لیکن نقل حرفی اقبال کے دوسرے مجموعہ ہائے مکاتیب سے اکثر و بیشتر من و عن کر لی ہے اور عکس پڑھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔ افسوس برنی صاحب کے بعض معاونین نے معاندین کا رول ادا کیا۔ زیر نظر کتاب میں نقل حرفی اور عکسی نقول کا موازنہ کریں تو کسی ظالم کا یہ مصرع بار بار لوح ذہن پر کوندتا ہے:

ع زباں کچھ اور ہوئے پیرہن کچھ اور کہتی ہے!

کلیات مکاتیب اقبال کی اس تیسری جلد میں بعض ایسے خط بھی ہیں جن میں اکٹھی اٹھارہ اٹھارہ غلطیاں ہیں۔ نو سطروں کے ایک خط میں آٹھ غلطیاں ہیں ۳۸۔ بعض اور کوتاہیوں کی نوعیت درج ذیل ہے:

(۱) خطوں کے جو عکس دیئے گئے ہیں ان میں سے بعض کو بغور دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ انہیں RETOUCH کیا گیا ہے اور چونکہ قیاساً کیا گیا ہے اس لئے بعض الفاظ میں تحریف ہو گئی ہے۔ مثلاً ۴ اگست ۱۹۳۴ء کے نذیر نیازی کے نام خط کے عکس میں "دوا" کے الف کو "کا" بنا کر جملہ بے معنی کر دیا گیا ہے (زیر نظر کتاب کا صفحہ ۵۸۹ ملاحظہ ہو) نیز اسی عکس میں لفظ "آپ" کے بعد "کا" کا اضافہ مرتب یا ان کے کسی معاون کا ہے۔ چونکہ خطوط کی اکثر عکسی نقول کے باب میں میرا اور مرتب کا ماخذ ایک ہے یعنی اقبال اکیڈمی' اس لئے میرا اور مرتب کا عکس ایک ہی ہونا چاہیے۔ میرے پاس مذکورہ خط کی جو عکسی نقل ہے اس میں "کا" نہیں۔ اگلے صفحات میں زیر نظر کتاب کا عکس اور اپنے ذخیرہ نوادر کی عکسی نقل دونو پیش کئے جا رہے ہیں۔

(۲) تدوین متن کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ مکتوب نگار جو لفظ روانروی میں چھوڑ جائے اور وہ سیاق کلام کے لئے ضروری ہو' مرتب نقل حرفی کرتے وقت اسے قوسین میں لکھ دے۔ زیر نظر کتاب کے مرتب نے اس کا بہت کم اہتمام کیا ہے۔

(۳) کتاب میں ایک بڑی کمی یہ ہے کہ جن کتابوں سے اقتباس یا حوالے درج کئے گئے ہیں' ان کے صفحات کی سرے سے نشاندہی نہیں کی گئی۔

(۴) علامہ کے خطوط کی ایک نمایاں خصوصیت یہ رہی ہے کہ ہر مکتوب نگار کی طرح ان کے بھی بعض محبوب لفظ، جملے یا طرز اظہار و املاء تھے۔ مثلاً" وہ اپنے خطوط میں "فرمایئے" کو ہمیشہ "فرمائے" لکھتے تھے۔ "غرضیکہ" کو ہمیشہ غرنکہ (اور یہی فصیح ہے) لکھتے تھے۔ "امید ہے" کے بجائے کم و بیش ہر جگہ "امید کہ" (خط کے آخر میں) لکھا کرتے تھے۔ اگر مرتب اس نمایاں خصوصیت کا صحیح ادراک کر لیتے تو کم از کم بعض غلطیوں سے بچا جا سکتا تھا۔

(۵) بعض حواشی مضحکہ خیز اور گمراہ کن ہیں۔

(۶) بعض خطوط سراسر جعلی ہیں مگر شامل کتاب ہیں۔

(۷) بعض خطوں کے متن غلط ہیں۔

اب ان میں سے بعض نکات کی تفصیل آئندہ صفحات میں پیش کی جاتی ہے۔ سب سے پہلے متنی اغلاط کی نشاندہی کی جاتی ہے جن میں بعض فاش غلطیاں ہیں، صفحات کے نمبر بھی درج ہیں۔ صحیح متن میں ان الفاظ کو خط کشیدہ کر دیا گیا ہے جو کتاب زیر نظر میں یا غلط شائع ہوئے ہیں یا شامل ہی نہیں ہو سکے۔ زوائد کی نشاندہی بھی آپ سے آپ ہو گئی ہے۔

کلیات مکاتیب اقبال

جلد سوم کا ناقص متن	صحیح متن
۱) تسلیم کے سوا کوئی راہ نہیں (ص ۶۱)	تسلیم کے سوا اور کوئی راہ نہیں
۲) فی الحال اشعار سے معاف فرمایئے کہ فرصت بالکل نہیں (ص ۶۳)	فی الحال اصلاح اشعار سے لئے (کذا) معاف فرمایئے کہ فرصت بالکل نہیں۔
۳) بمبئی کے تاجر ایسے مضامین پڑھنے والے کسی کو ولایت بھیجیں (ص ۶۵)	بمبئی کے تاجر ایسے مضامین پڑھنے کے لئے کسی کو ولایت بھیجیں
۴) کتاب چھپنے میں دیر ہو رہی ہے (ص ۶۷)	کتاب کے چھپنے میں دیر ہو رہی ہے
۵) مجیب صاحب سے کہیے کہ --- (ص ۶۷)	مجیب سے کہیے کہ ---
۶) بلخی میرے نام آئے یا مبارک علی کے نام (ص ۷۲)	بلخی یا میرے نام آئے یا مبارک علی کے نام
۷) میرا ارادہ آپ کے مطبع سے --- (ص ۷۲)	میرا تو ارادہ آپ کے مطبع سے ---
۸) افسوس ہے مجیب صاحب --- (ص ۷۲)	افسوس ہے کہ مجیب صاحب ---
۹) باقی کتاب کی طباعت کے متعلق جہاں تک ممکن ہو --- (ص ۷۸)	باقی کتب کی طباعت کے متعلق جہاں تک ممکن ہو ---
۱۰) وشعائر الدین امرٌ ظاہرٌ مختص بہ --- فی سائر الادیان (ص ۸۲)	وشعار الدین امرٌ ظاہرٌ یختص بہ --- من سائر الادیان
۱۱) مسلمان جوانوں کے دل میں اسلام کے لئے تڑپ ہے لیکن	مسلمان جوانوں کے دل میں اسلام ہی کے لئے تڑپ ہے لیکن

افسوس کہ کوئی آدمی ہم میں نہیں --- (ص ۱۰۱)	افسوس ہے کوئی آدمی ہم میں نہیں ---
۱۲) جو حالات معلوم ہوئے بہت قابل تشویش ہیں (ص ۱۰۳)	جو حالات معلوم ہوئے بہت قابل افسوس ہیں۔
۱۳) فقط (ص ۱۰۳)	فقط والسلام
۱۴) مجھ کو اس کام سے قطعاً[1] واقفیت نہیں (ص ۱۱۷)	مجھ کو اس کام سے قطعاً واقفیت نہیں ہے۔
۱۵) آپ دہلی جانے سے پہلے دیکھتے کہ کتاب مجھے لوٹا دی گئی ہے (ص ۱۳۵)	آپ کو دہلی جانے سے پہلے مجھے کتاب لوٹانے کا اہتمام کرنا چاہیے تھا
۱۶) میں اپنی کتابوں کی جدائی گوارا نہیں کرتا بالخصوص جن کو میں ہمیشہ اپنے پاس رکھتا ہوں۔ میرے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ بات کوئی نہیں ---- (ص ۱۳۵)	میں اپنی کتابوں کی جدائی گوارا نہیں کرتا بالخصوص جن کو میں ہمیشہ اپنے پاس رکھتا ہوں۔ میں نے آپ کے باب میں اس اصول کو ترک کیا۔ میرے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ بات کوئی نہیں
۱۷) آپ کے عزیز سے میں نے کبھی وعدہ نہیں کیا (ص ۱۵۰)	آپ کے عزیز سے یا آپ سے میں نے کبھی وعدہ نہیں کیا
۱۸) دیباچہ میں اپنے زیر نگرانی لکھوا دوں گا (ص ۱۵۲)	دیباچہ میں اپنی زیر نگرانی لکھوا دوں گا۔
۱۹) اگر کاتب اپنی اجرت کا کچھ حصہ پیشگی مانگے تو پیشگی دی جائے (ص ۱۵۴)	اگر کاتب اپنی اجرت کا کچھ حصہ پیشگی مانگے تو پیشگی دے جائے۔
۲۰) PROLEGOMENA IN HEAVEN (ص ۱۵۸)	PROLOGUE IN HEAVEN
۲۱) --- نظر انداز کر کے ہی مجھے بل ارسال کریں (ص ۱۶۸)	نظر انداز کر کے بھی مجھے بل ارسال کریں
۲۲) نور محض ایک استعارہ ہے جیسے قدیم کتب سماوی میں PANTHEISTIC اغراض کے لئے استعمال کیا گیا تھا یعنی وجود باری کو ہمہ گیر PERNASINENESS ظاہر کرنے کے لئے (ص ۱۷۹، ۱۸۰)	نور محض ایک استعارہ ہے جسے قدیم کتب سماوی میں PANTHEISTIC اغراض کے لئے استعمال کیا گیا تھا یعنی وجود باری کی ہمہ گیر PERVASIVENESS ظاہر کرنے کے لئے
۲۳) کیونکہ عالم مادی بھی --- (ص ۱۸۰)	کیونکہ عالم مادی میں
۲۴) جو کچھ آیت مذکورہ میں نے لکھا ہے (ص ۱۸۰)	جو کچھ آیت مذکورہ پر میں نے لکھا ہے
۲۵) آپ اسے کچھ صحیح سمجھ نہیں سکے (ص ۱۸۰)	آپ اسے اچھی طرح سمجھ نہیں سکے
۲۶) میرے خیال --- آیت قرآنی میں خدا تعالیٰ نے اپنے آپ کو نور (مادی معنوں میں) قرار دیا ہے (ص ۱۸۰)	میرے خیال میں آیت قرآنی میں خدا تعالیٰ نے اپنے آپ کو نور (مادی معنوں میں) قرار دیا ہے۔
۲۷) وضع اصطلاحات کا فکر کرنا چاہیے (ص ۱۸۴)	وضع اصطلاحات کی فکر کرنا چاہیے
۲۸) چودھری صاحب کو آپ کا خط دکھا دوں گا (ص ۱۸۴)	چودھری صاحب کو آپ (کا) خط دکھا دوں گا
۲۹) پروفیسر ہیل جس کی کتاب کا شاید ترجمہ آپ نے --- (ص ۱۸۵)	پروفیسر ہیل جس کی کتاب کا شاید آپ نے ترجمہ ----

---

[1] اصل انگریزی جملہ یہ ہے: "I made an exception in your case"

۳۰)	ENLANGEN (ص ۱۸۵)	ERLANGEN
۳۱)	Your book is one of the most important phenomena (ص ۱۸۵)	Your book is one of the most important phenomena of modern times. [۱]
۳۲)	۳ کی صبح کو دہلی پہنچ جاؤں گا (ص ۱۹۳)	۳ کی صبح دہلی پہنچ جاؤں گا۔
۳۳)	اے انڈیا کانفرنس کا جلسہ بھی انشاء اللہ ہو گا (ص ۱۹۷)	آل انڈیا [۲] کانفرنس کا جلسہ بھی انشاء اللہ ہو گا
۳۴)	ڈیر نیازی صاحب' السلام علیکم (ص ۲۰۰)	لاہور ۔ ۷ مئی ۱۹۳۱ء ڈیر نیازی صاحب' السلام علیکم
۳۵)	محمد اقبال' لاہور (ص ۲۰۲)	والسلام محمد اقبال' لاہور
۳۶)	لاہور' ۲۰ مئی ۱۹۳۱ء (ص ۲۰۸)	لاہور' ۲۵ مئی ۱۹۳۱ء
۳۷)	وہ کل معاملات کے متعلق مجھ سے خط و کتابت کریں (ص ۲۰۸)	وہ کل معاملات کے متعلق مجھ سے خط کتابت کریں
۳۸)	آپ کا خط ابھی ملا ہے (ص ۲۱۳)	آپ کا خط مع بیثاق ابھی ملا ہے
۳۹)	--- پھر ایک جزو کی صورت میں --- (ص ۲۱۳)	--- پھر ایک خبر کی صورت میں ----
۴۰)	کیا عجب ہے کہ یہی وہ تحریک ہو (ص ۲۱۳)	کیا عجب کہ یہی وہ تحریک ہو
۴۱)	شفیق لعل گوں و شق چنانکہ در افق شفق (ص ۲۱۷)	شفیق لعل گوں وشق چنانکہ در افق شفق
۴۲)	--- ۲۶ کو یہاں کشمیر کے معاملات کے متعلق --- (ص ۲۲۳)	--- ۲۶ کو یہاں سے کشمیر کے معاملات کے متعلق ---
۴۳)	میں اگست کے آخری ہفتوں سے باہر جاؤں گا (ص ۲۲۷)	میں اگست کے آخر میں ہندوستان سے باہر جاؤں گا
۴۴)	اس وقت تک لاہور ہی رہوں گا (ص ۲۲۷)	اس وقت تک لاہور ہی میں رہوں گا
۴۵)	مذکورہ بالا فوٹو حاصل کریں گے (ص ۲۲۷)	مذکورہ بالا فوٹو حاصل کر سکیں
۴۶)	امید ہے دسمبر کے آخر تک واپس آ جاؤں گا (ص ۲۲۹)	میں امید ہے دسمبر کے آخر تک واپس آ جاؤں گا
۴۷)	کیونکہ E G O کی زندگی بعد از موت یقینی ہے (ص ۲۳۱)	کیونکہ کملاء کی زندگی بعد از موت یقینی ہے
۴۸)	اس دوزخ اور جنت کے CHARACTER کی محسن	اس دوزخ اور جنت کے CHARACTER کی تعیین PALNT

؎۱ کلیات مکاتیب اقبال کی اس تیسری جلد میں سید نذیر نیازی کے نام اس خط کا نامکمل عکس شامل کیا گیا ہے۔ زیر نظر مضمون میں اس کا مکمل عکس شائع کیا جا رہا ہے۔

؎۲ کلیات مکاتیب اقبال کی اس تیسری جلد میں اس جملے کے حوالے سے ایک حاشیہ لکھا گیا ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ مکتوبات اقبال (مرتبہ نذیر نیازی) میں یہ عبارت محذوف ہے۔ حیرت ہے کہ مکتوبات اقبال کا صفحہ ۵۵ غور سے دیکھا ہی نہیں گیا جس میں یہ عبارت حرف بہ حرف موجود ہے۔ مزید برآں آل انڈیا کانفرنس پر نوٹ لکھنے کی ضرورت تھی جو "مکتوبات اقبال" ہی کی مدد سے لکھا جا سکتا تھا ملاحظہ ہو "مکتوبات اقبال" (ص ۵۵)

ANIMAL LIFE اور PLANT LIFE کے اسٹیج پر منحصر ہے (ص ۲۳۱)	LIFE اور ANIMAL LIFE کے سٹیج پر منحصر ہے۔
۴۹) اس ضمن میں بہت سے امور عقل انسانی سے باہر ہیں۔ ان کے متعلق بصیرت ایمان اور ذرائع سے پیدا ہوتا ہے (ص ۲۳۱)	اس ضمن میں بہت سے امور عقل انسانی سے باہر ہیں۔ ان کا تعلق اور ان کے متعلق بصیرت و ایمان اور ذرائع سے پیدا ہوتا ہے۔[1]
۵۰) امید ہے کہ اسٹیشن پر --- (ص ۲۳۵)	امید ہے سٹیشن پر
۵۱) میں یکم ستمبر کو فرنٹیر میل سے --- (ص ۲۳۵)	میں یکم ستمبر کو فرانٹیر میل سے ---
۵۲) اب ۸ ستمبر کی شام کو فرنٹیر میل سے --- (ص ۲۳۵)	اب ۸ ستمبر کی شام کو فرانٹیر میل سے ---
۵۳) آپ کے اخبار مورخہ ۳ اکتوبر میں ڈاکٹر تھامسن نے ------ (ص ۲۴۶)	آپ کے اخبار مورخہ ۳ اکتوبر میں ڈاکٹر ای تھامسن نے
۵۴) اس کا حسب ذیل فقرہ سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے پیش کیا ہے (ص ۲۴۶)	اس کا حسب ذیل فقرہ سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے پیش کیا ہے تاکہ اسے "پین اسلامک سازش" کے ثبوت کے طور پر مہیا کیا جا سکے۔
۵۵) کیا میں ڈاکٹر تھامسن سے یہ کہہ سکتا ہوں (ص ۲۴۷)	کیا میں ڈاکٹر تھامسن کو یہ بتا سکتا ہوں
۵۶) --- اور تاثیر صاحب کو سلام کہیے (ص ۲۵۶)	اور تاثیر صاحب سے سلام کہیے
۵۷) ایڈیشن کی دو دو کاپیاں ارسال کرنے کو ---- (ص ۲۷۸)	ایڈریس کی اور دو کاپیاں ارسال کرنے کو
۵۸) پروفیسر ہیل اس کا جرمن ترجمہ کریں گے (ص ۲۷۸)	پروفیسر ہیل اس کا جرمن ترجمہ کریں گے
۵۹) "یورپ میں دکنی مخطوطات" کا نسخہ --- (ص ۲۸۰)	"یورپ میں دکنی مخطوطات" کا نسخہ
۶۰) بہت سی کتب کے صحیح ایڈیشنوں کا چھپنا باقی ہے (ص ۲۸۰)	بہت سی کتابوں کے صحیح ایڈیشنوں کا چھپنا باقی ہے
۶۱) وہ بھی ہندو مسلمانوں کی صلح کے خاطر --- (ص ۲۹۰)	وہ بھی ہندو مسلمانوں کی صلح کی خاطر
۶۲) مسٹر پنڈت ملت ان سے ملے تھے (ص ۲۹۰)	مسٹر ملت ان سے ملے تھے۔
۶۳) مسٹر ملت کے خط کو شائع کرنا چاہیے (ص ۲۹۰)	مسٹر ملت کے خط کو شائع کر دینا چاہیے۔
۶۴) یورپ کے متعلق جب کوئی قطعی فیصلہ ہو گیا (ص ۲۹۸)	یورپ کے متعلق جب قطعی فیصلہ ہو گیا۔
۶۵) اس لئے کہ اسلام کی نعمت سے خود مسلمان محروم ہے (ص ۲۹۹)	افسوس کہ اسلام کی نعمت سے خود مسلمان محروم ہے۔
۶۶) اسلام کی خدمت خود فطرت کا کارنامہ ہو گی (ص ۲۹۹)	اسلام کی یہ خدمت خود فطرت کا کارنامہ ہو گی۔
۶۷) اگر یہ مرحلہ طے ہو گیا تو امید کامل ہے کہ کوئی اچھی صورت نکل سکے (ص ۲۹۹)	اگر یہ مرحلہ طے ہو گیا تو امید کامل ہے کوئی اچھی صورت نکل سکے۔
۶۸) یہ پڑھ کر کہ "پیام مشرق" اور "زبور عجم" آپ کو پسند آئی ہیں اور ان کی فارسی بھی معیاری ہے (ص ۳۰۳)	یہ پڑھ کر کہ "پیام مشرق" بھی "زبور عجم" کی طرح آپ کو پسند آئی ہے اور اس کی فارسی بھی معیاری ہے ---

[1] کلیات مکاتیب اقبال (۳) میں اس خط کا نامکمل عکس شامل ہے۔ اس مضمون میں مکمل عکس شامل کیا جا رہا ہے۔

۶۹) اردو اخبارات نے بھی اس کی اشاعت میں حصہ لیا ہے (ص ۳۲۳)	مقامی مسلم اخبارات نے بھی اس کی اشاعت میں حصہ لیا ہے۔
۷۰) طباعت کی بے شمار غلطیوں کے لئے معذرت قبول فرمائیں (ص ۳۲۴)	طباعت کی متعدد[۱] غلطیوں کے لئے معذرت قبول فرمائیں۔
۷۱) اسلام کے تہذیبی پہلو پر تعلیم یافتہ حضرات توجہ کر رہے ہیں۔ (ص ۳۲۵)	اسلام کے ثقافتی پہلو پر تعلیم یافتہ حضرات توجہ کر رہے ہیں۔
۷۲) لاہور ۱۶ مارچ ۱۹۳۳ء (ص ۳۲۷)	لاہور ۶ مارچ ۱۹۳۳ء
۷۳) آپ کو تعلیم نسواں اسلام کے متعلق --- (ص ۳۳۱)	آپ کو تعلیم نسوانِ اسلام کے متعلق ----
۷۴) لیکن طارق سے متعلق اشعار بالخصوص دلگداز ہیں (ص ۳۳۳)	سیول SEVILLE سے متعلق اشعار بالخصوص دلگداز ہیں
۷۵) ڈیمر نیازی صاحب (ص ۳۳۴)	ڈیئر نیازی
۷۶) مومن کی شان یہی ہے کہ راضی برضائے الٰہی ہے (ص ۳۳۴)	مومن کی شان یہی ہے کہ راضی برضائے الٰہی رہے۔
۷۷) سرٹیفکیٹ مطلوبہ مرسل ہے (ص ۳۳۹)	سارٹیفکیٹ مطلوبہ مرسل ہے
۷۸) اسلامی معاشات کی روح یہ ہے کہ سرمائے کی بڑی مقدار میں اضافے کو ناممکن بنا دیا جائے (ص ۳۴۶)	اسلامی معاشیات کی روح یہ ہے کہ بڑے سرمایہ کی افزائش کو ناممکن بنا دیا جائے
۷۹) مسولینی اور ہٹلر کا اندازہ فکر بھی یہی تھا (ص ۳۴۶)	مسولینی اور ہٹلر کا انداز فکر بھی یہی ہے۔
۸۰) --- وہ بھی پڑھ لیجیے۔ (ص ۳۴۶)	--- اسے بھی پڑھ لیجئے۔
۸۱) آپ کے میموریل کے بارے میں مجھے کوئی اطلاع نہیں (ص ۳۴۹)	آپ کے میموریل کے بارے میں مجھے ابھی تک کوئی اطلاع نہیں۔
۸۲) آپ کو صحیح حالات معلوم نہیں (ص ۳۴۹)	مجھے گمان ہے کہ آپ کو صحیح حالات معلوم نہیں۔
۸۳) وہ وسط اکتوبر تک ہندوستان تشریف نہ لائیں (ص ۳۴۹)	وہ کم از کم وسط اکتوبر تک ہندوستان تشریف نہ لائیں۔
۸۴) جو کچھ (مولانا) شوکت علی میرے بارے میں کہتے ہیں وہ ان کا حسن ظن ہے (ص ۳۴۹)	جو کچھ (مولانا) شوکت علی میرے بارے میں کہتے ہیں وہ یقیناً ایک اعزاز ہے۔
۸۵) میرے انگلستان نہ (جا) سکنے کے متعلق --- (ص ۳۵۱)	میرے انگلستان نہ جا سکنے کے متعلق ---
۸۶) آپ کے توصیفی کمالات کے لئے بے حد شکر گزار ہوں (ص ۳۵۶)	آپ کے توصیفی کلمات کے لئے بے حد شکر گزار ہوں۔

۱؎ اصل انگریزی متن میں "many misprints" کے الفاظ آئے ہیں۔ اس کا ترجمہ "بے شمار غلطیاں" درست نہیں۔ اصل انگریزی متن کے لئے دیکھئے "Iqbal - His Political Ideas at crossroads" کا صفحہ ۱۷

۱۱۱) پاسپورٹ حاصل ہونے میں سہولت ہو (ص ۴۰۴)	پاسپورٹ حاصل سہولت ہو (کذا)
۱۱۲) قونصل صاحب نے گورنمنٹ آف انڈیا کو لکھ دیا ہے کہ آپ کا پاسپورٹ جلد مل جائے۔ مجھے امید ہے کہ جلد مل جائے گا (ص ۴۰۹)	قنصل صاحب نے گورنمنٹ آف انڈیا کو لکھ دیا کہ آپ کے پاسپورٹ جلد مل جائیں مجھے امید ہے کہ جلد مل جائیں گے
۱۱۳) ۲۱ کی صبح کو کابل روانہ ہوں (ص ۴۱۳)	۲۱ کی صبح کو کابل کو روانہ ہوں
۱۱۴) سید راس مسعود ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیں گے (ص ۴۱۳)	سید راس مسعود ۱۹ کی شام کو یہاں پہنچ جائیں گے
۱۱۵) ۲۰ کی صبح کے میل ٹرین --- (۴۱۳)	۲۰ کی صبح کی میل ٹرین ---
۱۱۶) قونصل جنرل صاحب کو بھی آپ تار دے دیں (۴۱۶)	قنصل جنرال صاحب کو بھی آپ تار دے دیں۔
۱۱۷) قونصل جنرل کو بذریعہ تار مطلع کر دیں (ص ۴۱۶)	قنصل جنرال کو بذریعہ تار مطلع کر دیں۔
۱۱۸) ابھی یقیناً نہیں کہہ سکتا کہ ۲۴ میں جاؤں گا یا ۲۵ میں۔ (ص ۴۱۹)	ابھی یقیناً نہیں کہہ سکتا کہ ۲۴ء میں جاؤں گا یا ۲۵ء میں
۱۱۹) ان کو سن کر صدیقؓ اور فاروقؓ یاد آتے ہیں (ص ۴۲۱)	ان کو سن کر صدیقؓ و فاروقؓ یاد آتے ہیں۔
۱۲۰) وہاں کے نوجوانوں میں اسلامی خیالات --- (ص ۴۲۱)	وہاں کے نوجوانوں (میں) اسلامی خیالات ---
۱۲۱) یہ عریضہ حضرت محی الدین ابن عربی --- (ص ۴۲۳)	یہ عریضہ حضرت محی الدین ابن العربی ---
۱۲۲) شاہ نادر کی شہادت کا قلق ہوا۔ (ص ۴۲۳)	شاہ نادر کی شہادت سے قلق ہوا۔
۱۲۳) خدا تعالیٰ اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ (ص ۴۲۳)	خدا تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ دے۔
۱۲۴) افغانستان میں امن و امان رہے گا۔ (ص ۴۲۳)	افغانستان میں امن امان رہے گا۔
۱۲۵) امید ہے کہ آپ --- (ص ۴۲۵)	وہ امید کرتا ہے کہ آپ ---
۱۲۶) --- کے حق میں بڑا پروپیگنڈا کر رہے ہیں (ص ۴۲۶)	--- کے حق میں پروپوغندا کر رہے ہیں۔
۱۲۷) جس موضوع پر میں لکھنا چاہتا ہوں وہ "مسلم فکر میں تصور مکان و زمان ہے (ص ۴۲۹)	جس موضوع پر میں لکھنا چاہتا ہوں وہ "مسلم فکر کی تاریخ میں تصور مکان و زمان" ہے۔
۱۲۸) --- جس کے ہر عنوان پر تین ماہ کی قلیل مدت میں بہت زیادہ ریسرچ کرنا ہو گی۔ (ص ۴۳۰)	جس کے لئے تین ماہ کی قلیل مدت میں بہت زیادہ ریسرچ کرنا ہو گی۔
۱۲۹) --- جس روز وہ بیان شائع ہوا (ص ۴۳۱)	--- جس روز وہ یہاں شائع ہوا۔
۱۳۰) "زمان و مکان فلسفہ اسلام کی روشنی میں"	"زمان و مکان فلسفہ اسلام کی تاریخ میں"
۱۳۱) فی تحقیق المکان کی نقل رامپور کتب خانہ سے آگئی ہے	فی تحقیق المکان کی نقل رامپور کے کتب خانے سے آگئی ہے۔

ٹ مکتوب کے عکس میں سنین صاف پڑھے جاتے ہیں۔ اس سے قطع نظر اگر مرتب تھوڑا سا استقراء ہی سے کام لیتے تو انھیں معلوم ہو جاتا کہ روڈز لیکچر کی دعوت انہیں ۱۹۳۳ء میں ملی تھی نہ کہ دس گیارہ برس پیشتر۔

۸۷) رہوڈز لیکچرز دینے کی دعوت میرے لئے صد افتخار ہے (ص ۳۵۷)

۸۸) آپ شعر و سخن میں اپنا وقت عزیز ضرور صرف کریں (ص ۳۵۷)

۸۹) آپ کے مصر جانے کے متعلق میں شیخ الجامعہ ازہر کو لکھ سکتا ہوں (ص ۳۵۹)

۹۰) آپ شعر و شاعری کا مشغلہ ترک نہ کریں (ص ۳۶۰)

۹۱) اس خط کے جواب آنے پر --- (ص ۳۶۳)

۹۲) حضرت محی الدین ابن عربی کے فتوحات --- (ص ۳۶۷)

۹۳) امید کہ مزاج بخیر و عافیت ہو گا (ص ۳۶۸)

۹۴) نور الاسلام کا عربی رسالہ بابت مکان جو رامپور میں ہے کس زبان میں ہے؟ (ص ۳۸۱)

۹۵) محب اللہ بہاریؒ کی جواہر الفرد کہاں سے ملے گی (ص ۳۸۳)

۹۶) --- آپ کی توجہ اس طرف منعطف کراؤں (۳۸۹)

۹۷) --- اور مجھے اس کا پہلے علم ہوتا تو --- (ص ۳۹۰)

۹۸) --- لیکن میں نے انکار کر دیا --- (ص ۳۹۰)

۹۹) --- رہا علماء کے اختلاف کی وجہ سے --- (ص ۳۹۱)

۱۰۰) شمال مغربی ہندوستان میں ایک اصلاحی ریاست پیدا کی جائے (ص ۳۹۲)

۱۰۱) ان کا اختلاف عامۃ المسلمین سے بھی زیادہ ہے (ص ۳۹۲)

۱۰۲) منصب پرست مسلمانوں سے زیادہ مضر ہے (ص ۳۹۲)

۱۰۳) شفیع داؤدی اور سید ذاکر علی صاحب --- (ص ۳۹۲)

۱۰۴) پہلے آپ کو خط لکھ چکا تھا (ص ۳۹۳)

۱۰۵) اگر تردید کر دی تو جلسے والے ناراض ہوتے ہیں (ص ۳۹۳)

۱۰۶) تو فضل جنرل صاحب کی خدمت میں --- (ص ۳۹۴)

۱۰۷) مولوی سید برکات احمد صاحب کا رسالہ --- (ص ۳۹۴)

۱۰۸) کوئی پیام بھیجنے کا قصد بھی نہ تھا (ص ۳۹۸)

۱۰۹) --- زیر اہتمام انجمن حمایت الاسلام --- (ص ۴۰۰)

۱۱۰) آج تو فضل صاحب کو --- (ص ۴۰۴)

رہوڈز لیکچرز دینے کی دعوت میرے لئے باعث افتخار ہے

آپ شعر و سخن میں اپنا وقت عزیز صرف نہ کریں

آپ کے مصر جانے کے متعلق میں شیخ الجامعہ ازہر (کذا) کو لکھ سکتا ہوں

آپ شعر و شاعری کا مشغلہ ترک کر دیں۔

اس خط کا جواب آنے پر ---

حضرت محی الدین ابن عربی کی فتوحات ---

امید کہ جناب کا مزاج بخیر و عافیت ہو گا۔

نور الاسلام کا عربی (کذا) رسالہ بابت مکان جو رامپور میں ہے کس زبان میں ہے؟

محب اللہ بہاریؒ کی جواہر الفرد کہاں سے ملے گی

--- آپ کی توجہ اس طرف منعطف کروں

--- اور اگر مجھے ان کا پہلے علم ہوتا تو ---

--- مگر میں نے انکار کر دیا ---

--- علماء کے اختلاف کی وجہ سے ---

شمال مغربی ہندوستان میں ایک اسلامی ریاست پیدا کی جائے۔

ان کا اختلاف عامۃ المسلمین سے بھی زیادہ ہے

منصب پرست مسلمانوں سے بھی زیادہ مضر ہے

شفیع داؤدی صاحب اور سید ذاکر علی صاحب ---

پہلے آپ کو ایک خط لکھ چکا تھا

اگر تردید کروں تو جلسے والے ناراض ہوتے ہیں۔

فضل جنرل صاحب کی خدمت میں ---

مولوی سید برکات احمد کا رسالہ ---

کوئی پیغام بھیجنے کا قصد بھی نہ تھا

--- زیر اہتمام انجمن حمایت اسلام ---

آج فضل صاحب کو ---

	(ص ۴۴۱)	
۱۳۱)	کیا انہوں نے مکان پر کسی وجہ سے شک کی ہے (ص ۴۴۳)	کیا انہوں نے مکان [illegible]
۱۳۲)	جواب جہاں تک ہو جلد مانگتا ہوں (ص ۴۴۴)	جواب جہاں تک ممکن ہو جلد [illegible]
۱۳۳)	یہ خط جامعہ کی طرف سے ہے (ص ۴۴۷)	یہ خط جامعہ [illegible] کی طرف سے ہے۔
۱۳۴)	یہ ازلی موضوع ہے اور اپنے مخطوطات کی ... ہیں کم از کم بعض ابھی تک عدم پتہ ہیں۔ کافی تفتیش و تحقیق کا طالب ہے۔ (ص ۴۴۹)	[illegible]
۱۳۵)	روڈز خطبات کے ٹرسٹیان ---- ۱۹۳۵ء کے موسم بہار میں ان خطبات کے دینے کی اجازت دے سکیں گے۔ (ص ۴۴۹)	روڈز خطبات کے ٹرسٹی ---- ۱۹۳۵ء [illegible] کے دینے کی اجازت دے سکیں گے
۱۳۶)	ان خطبات کے علاوہ جن کا میں نے ذمہ لے لیا ہے آکسفورڈ میں اور کوئی لیکچر نہیں دینا چاہتا۔ (ص ۴۴۹)	ان خطبات کے سوا جن کا ذمہ میں نے لے لیا [illegible] آکسفورڈ میں اور کوئی پبلک لیکچر نہیں دینا چاہتا
۱۳۷)	نہ میں نے وہ لیڈر دیکھا ہے ---- (ص ۴۵۰)	نہ میں نے وہ لیڈر دیکھا ہے۔ ----
۱۳۸)	یہ بہت سی باتیں جو ان کے بیان میں ہیں۔ (ص ۴۵۰)	بہت سی باتیں جو ان کے بیان میں ہیں۔
۱۳۹)	پنڈت جواہر لعل اب کشتی کے ناخدا ہیں۔ (ص ۴۴۳)	اب سیادت، پنڈت نہرو کے ہاتھ میں ہے۔
۱۴۰)	تاریخ پیشی جموں میں ۱۳ فروری مقرر ہوئی ہے۔ (ص ۴۴۶)	تاریخ پیشی جموں میں ۱۳ فروری ۱۹۳۴ء مقرر ہوئی ہے۔
۱۴۱)	مخلص محمد اقبال (ص ۴۴۶)	شکریے کے ساتھ۔ مخلص محمد اقبال
۱۴۲)	براہ راست خط و کتابت مفید ہو گی (ص ۴۴۷)	براہ راست رابطہ مفید رہے گا۔
۱۴۳)	تہذیب و تمدن (بالخصوص یورپ میں) بھی حالت نزاع میں ہے۔ (ص ۴۴۹)	تہذیب و تمدن (بالخصوص یورپ میں) بھی حالت نزع میں ہے۔
۱۴۴)	ناموں سے آگاہ فرمایئے۔ (ص ۴۴۹)	ناموں سے آگاہ فرمائیں۔
۱۴۵)	ان کے نام پبلشر وغیرہ لکھ دیجئے۔ (ص ۴۵۱)	ان کے نام پبلشر وغیرہ لکھ بھیجئے۔
۱۴۶)	آپ کی ہمت و مستعدی لائق صد ہزار داد و ستائش ہے (ص ۴۵۲)	آپ کی ہمت و مستعدی صد درجہ لائق ستائش ہے
۱۴۷)	تکلیف کے لئے دوبارہ شکریہ عرض کرتا ہوں (ص ۴۵۳)	×
۱۴۸)	نیز زمانہ حال کا کوئی امیر بھی کسی امر کی نسبت ایسا فیصلہ	نیز کیا زمانہ حال کا کوئی امیر بھی کسی امر کی نسبت ایسا فیصلہ کرنے کا

---

[1] اس خط کا عکس کلیات مکاتیب اقبال میں ناقص چھپا ہے۔ چنانچہ پورا عکس شامل کیا جاتا ہے۔

[2] اس بہت اہم مکتوب کے اصل انگریزی متن کا عکس شامل مضمون ہے۔

	کرنے کا مجاز ہے؟ (ص ۳۵۵)	مجاز ہے؟
۱۴۹)	میں ایسا ہی ایک خیال فارسی میں تحریر کرتا ہوں۔ (ص ۳۶۰)	میں ایک ایسے ہی خیال کی نشاندہی فارسی میں کرتا ہوں۔
۱۵۰)	مالکیوں اور حنفیوں اور شیعوں میں ---- (ص ۳۶۰)	مگر مالکیوں اور حنفیوں اور شیعوں میں ---
۱۵۱)	افغانی تعلیمی بورڈ کے --- (ص ۳۶۲)	افغان تعلیمی بورڈ کے ممبر ---
۱۵۲)	سرور خاں کے خطوط بھی آئے تھے۔ (ص ۳۶۳)	سرور خاں کے خطوط مجھے بھی آئے تھے۔
۱۵۳)	ان کے لئے بھی آپ کا شکر گزار ہوں۔ (ص ۳۶۳)	ان کے لئے بھی میں آپ کا شکر گزار ہوں
۱۵۴)	سیاسی نظریات کے جدید میلانات سے واقف نظر آتے ہیں۔ (ص ۳۶۳)	سیاسی نظریات کے جدید اسالیب سے واقف نظر آتے ہیں۔
۱۵۵)	چودھری ظفر اللہ خاں کیوں کر اور کس کی دعوت پر وہاں جا رہے ہیں (ص ۳۶۶)	چودھری ظفر اللہ خاں کیوں کر اور کس کی دعوت پر مقدمے کی پیروی کرنے وہاں جا رہے ہیں۔
۱۵۶)	شاید کشمیر کانفرنس کے بعض لوگ۔ ابھی تک قادیانیوں سے خفیہ تعلقات رکھتے ہیں (ص ۳۶۶)	شاید کشمیر کانفرنس کے بعض لوگوں کی دعوت پر جو ابھی تک قادیانیوں سے خفیہ تعلقات رکھتے ہیں۔
۱۵۷)	--- اور نہ ہی اس قسم کے اجتماعات میں شمولیت پسند کرتا ہوں (ص ۳۶۷)	اور نہ ہی اس قسم کے اجتماعات میں بھی شمولیت پسند کرتا ہوں۔
۱۵۸)	من راقم (ص ۳۶۸)	راقم
۱۵۹)	فقط (ص ۳۷۰)	ــــــ
۱۶۰)	محمد اقبال (ص ۳۷۰)	والسلام محمد اقبال
۱۶۱)	ڈاکٹر ایلی سے مل نہ سکا۔ (ص ۳۷۰)	ڈاکٹر وہبی سے مل نہ سکا ۳؎
۱۶۲)	میرے خیال میں یہ ایک سنجیدہ غلطی ہے (ص ۳۷۲)	میرے خیال میں یہ ایک بڑی غلطی ہے ۴؎

۱؎ اس عبارت سے گمان ہو سکتا ہے کہ شاید یہ شعر اقبال ہی کی کاوش کا نتیجہ ہے حالانکہ ایسا نہیں۔

۲؎ سید نعیم الحق کے نام علامہ کے ۹ فروری ۱۹۳۳ء کے اس خط پر برنی صاحب نے حاشیہ لکھتے ہوئے انکشاف فرمایا ہے کہ "اس خط کے سوا سید نعیم الحق (پٹنہ) کے نام علامہ اقبال کے جتنے خطوط ملے ہیں سب انگریزی میں ہیں" ساتھ ہی مرتب نے امکان ظاہر کیا ہے کہ شاید یہ بھی انگریزی میں ہو۔ واضح رہے کہ اصلاً یہ خط انگریزی ہی میں لکھا گیا تھا اور "Letters of Iqbal" کے صفحہ ۱۰ پر موجود ہے۔ اہل نظر نے صحیح کہا ہے کہ "ہی شود پردہ چشم پر کاہے گاہے" (اقبال)

۳؎ یہ وہی ڈاکٹر بہجت وہبی ہیں جن کا ذکر ایک صفحہ پیچھے اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو (ص ۳۶۸)۔ نیز صفحہ ۳۷۰ پر بھی سید نذیر نیازی کے نام خط میں وہبی صاحب کا ذکر موجود ہے۔ میرا تاثر یہ ہے کہ چونکہ کلیات کا یہ کام پنچایتی ہے اس لئے اس میں ربط کا فقدان ہے اور ایک معاون کار کو دوسرے کے مفوضہ کام سے کوئی دلچسپی نہیں معلوم ہوتی۔

۴؎ "SERIOUS MISTAKE" کا ترجمہ "سنجیدہ غلطی" کرنا مضحکہ خیز ہے۔

۱۶۴) آپ مجھے "نظریہ پاکستان" کا حامی قرار دیتے ہیں۔ (ص ۴۷۲)	آپ مجھے "پاکستان سکیم" کا حامی قرار دیتے ہیں
۱۶۴) مگر اب پاکستان میرا منصوبہ نہیں ہے۔ (ص ۴۷۲)	مگر "پاکستان اسکیم" میرا منصوبہ نہیں ہے
۱۶۵) میرے منصوبے کی مطابق ---- (ص ۴۷۲)	میرے منصوبے کے مطابق
۱۶۶) جب کہ "نظریہ پاکستان" میں --- (ص ۴۷۲)	جب کہ "پاکستان سکیم" میں ---
۱۶۷) --- ہندوستان کے شمال و مغرب کے مسلم صوبوں --- (ص ۴۷۳)	--- ہندوستان کے شمال مغرب کے مسلم صوبوں ---
۱۶۸) میں ان تقاریر کے کلیدی نکات کے پرچے بھی محفوظ نہ رکھ سکا۔ (ص ۴۷۸)	میں نے ان تقاریر کے نکات بھی نہیں لکھے تھے۔
۱۶۹) آپ اور نیازی صاحب دونوں شریک یا ملازمت کی حیثیت سے تصنیف و تالیف کا کام کریں (ص ۴۷۹)	آپ اور نیازی صاحب دونوں شریک یا ملازم کی حیثیت میں تصنیف و تالیف کا کام کریں۔
۱۷۰) اس کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہے (ص ۴۷۹)	اس کے لئے سرمایے[1] کی ضرورت ہے
۱۷۱) بہرحال اگر کسی جگہ کوئی کام جو آپ کے لائق ملنے کا امکان ہو --- (ص ۴۷۹)	بہرحال اگر کسی جگہ کوئی کام جو آپ کے لائق ہو، ملنے کا امکان ہو ---
۱۷۲) فقط (ص ۴۸۵)	والسلام
۱۷۳) فی الحال آپ صرف مجموعہ نظم اردو ترجمہ لیکچرز کے لئے ہی شرائط طے کریں (ص ۴۸۶)	فی الحال آپ صرف مجموعہ نظم اور ترجمہ لیکچرز کے لئے ہی شرائط طے کریں
۱۷۴) فی الحال جو کام درپیش ہے اس تک محدود رہنا چاہیے (ص ۴۸۶)	فی الحال جو کام درپیش (ہے) اس تک محدود رہنا چاہیے۔

---

[1] نامسن کے نام اصل انگریزی خط میں یہ جملہ ملتا ہے "You call me (a) protagonist of the scheme called Pakistan" اس جملے کا مفہوم محض اتنا ہے کہ میں چودھری رحمت علی کی "پاکستان اسکیم" کا حامی نہیں۔ مرتب یا اس کے کسی معاون نے بدنیتی سے اقبال کو "نظریہ پاکستان" ہی سے وستبردار قرار دے دیا۔ ایس حسن احمد کی کتاب "Iqbal - His Political Ideas at Cross Voads" بھی اسی تعصب کی مظہر ہے جس سے یہ خط لے کر ترجمہ کیا گیا ہے۔

• انگریزی اسلوب سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ بعض اوقات لفظ "Now" آغاز کلام یا کسی امر کی وضاحت کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہاں یہ لفظ انھی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مرتب و مترجم یہ مفہوم دینا چاہتے ہیں گویا اقبال پہلے تو پاکستان کے حامی تھے اب اس کے حامی نہیں رہے۔ حسرت نے سچ کہا تھا "خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔" بدقسمتی سے سید مظفر حسین برنی "محب وطن اقبال" کی دلدل سے ابھی نکل نہیں سکے۔

[1] ممکن ہے اسے صرف املا یا امالے کی بات کہہ کر نظر انداز کر دیا جائے مگر اقبال کے اصل خط کے عکس میں "سرمائے" ہی ہے۔

۱۷۵)	آپ معلوم کریں کہ ان دو کتب کے متعلق ان کی رُمز کیا ہیں۔ (ص ۴۸۶)	آپ معلوم کریں کہ ان دو کتب کے متعلق ان کے رُمز کیا ہیں
۱۷۶)	اور اگر صفحات زیادہ ہوں تو زیادہ (ص ۴۸۶)	اور اگر صفحات زیادہ ہوں گے تو زیادہ
۱۷۷)	آپ خود نگرانی کریں گے تو اور بھی اچھا ہے (ص ۴۸۶)	آپ خود نگرانی کریں گے تو اور بھی اچھا۔
۱۷۸)	حکیم نابینا صاحب کی خدمت میں پھر میری طرف سے حاضر ہوں (ص ۴۸۹)	حکیم نابینا صاحب کی خدمت میں بھی میری طرف سے حاضر ہوں۔
۱۷۹)	بیماری کے حالات عرض کر دیں (ص ۴۸۹)	بیماری کے حالات عرض کریں
۱۸۰)	چار ماہ تک علاج ہوا مگر کچھ خاص فائدہ اس سے نہیں ہوا۔ (ص ۴۸۹)	چار ماہ تک علاج ہوا' کچھ خاص فائدہ اس سے نہیں ہوا۔
۱۸۱)	حکیم صاحب کو خود ہی معلوم ہے (ص ۴۸۹)	حکیم صاحب کو خود بھی معلوم ہے
۱۸۲)	--- چھاتی وغیرہ کی اکس ریز X - Ray فوٹو لئے گئے۔ (ص ۴۹۱)	--- چھاتی وغیرہ کے اکس ریز X - Ray فوٹو لئے گئے ہیں
۱۸۳)	جس کے دباؤ سے ووکل کارڈ VOCAL CHORD متاثر ہوتی ہے (ص ۴۹۱)	جس کے دباؤ سے ووکل کارڈ VOCAL CORD متاثر ہوئی ہے۔
۱۸۴)	یہ بھی اندیشہ ہے کہ اس GROWTH کا اثر پھیپھڑوں پر نہ پڑے؎ (ص ۴۹۱)	یہ بھی اندیشہ ہے کہ اس GROWTH کا اثر پھیپھڑوں پر پڑے
۱۸۵)	ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے ظاہر ہے کہ معاملہ پیچیدہ ہے۔ (ص ۴۹۱)	ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے ظاہر (ہے) کہ معاملہ کس قدر پیچیدہ ہے
۱۸۶)	حکیم صاحب سے مشورہ کئے بغیر یورپ نہ جاؤں گا (ص ۴۹۱)	حکیم صاحب سے مشورہ لئے بغیر یورپ نہ جاؤں گا۔
۱۸۷)	اقبال (ص ۴۹۳)	ہمیشہ آپ کا' اقبال
۱۸۸)	اور دوسری دفعہ پھر انگلی سے خون لیا گیا (ص ۴۹۵)	دوسری دفعہ پھر انگلی سے خون لیا گیا
۱۸۹)	جس کا نتیجہ یہ تھا --- (ص ۴۹۵)	جس کا تجزیہ یہ ہے۔
۱۹۰)	حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجئے (ص ۴۹۵)	حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں۔
۱۹۱)	فوراً مطلع کر دیں (ص ۴۹۷)	فوراً مطلع کریں
۱۹۲)	شام کو صرف نمکین چائے یا کھیر دلیا مع دودھ --- (ص ۴۹۷)	شام کو صرف نمکین چائے یا کبھی دلیا مع دودھ ---

؎ اقبال کے اصل خط کے عکس میں بھی لفظ "نہ" موجود ہے۔ اقبال یہ لفظ سہواً لکھ گئے ہیں۔ خود جملے کی ساخت متقاضی ہے کہ یہاں لفظ "نہ" نہیں ہونا چاہئے۔ علامہ کے اس سہو کی تصدیق ۵ جون ۱۹۳۴ء کے خط سے ہوتی ہے جہاں اس گروتھ کے پھیپھڑوں کو متاثر کرنے کا اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے' دیکھئے "کلیات مکاتیب اقبال" جلد سوم (ص ۵۰۲)

۱۹۳) ان کے مطابق آئندہ عمل کروں گا (ص ۴۹۷)	ان کے مطابق آئندہ عمل ہو گا۔
۱۹۴) یہ بھی تحریر فرمائیں کہ آیا استعمال کیا جائے یا نہ (ص ۴۹۷)	یہ بھی تحریر فرمائیں کہ آیا اس کا استعمال کیا جائے یا نہ۔
۱۹۵) حکیم صاحب اور اپنے امریکن دوست سے دریافت کریں (ص ۴۹۷)	حکیم صاحب اور اپنے امریکن دوست سے دریافت کریں۔
۱۹۶) کہتے ہیں ایکس رے ایکسپوژر سے یہ گروتھ --- (ص ۴۹۷)	کہتے ہیں کہ ایکس رے ایکسپوژر سے یہ گروتھ --
۱۹۷) ویانا (آسٹریا) یا لندن جانا چاہیے (ص ۵۰۰)	ویانا (آسٹریا) یا لندن جانا چاہیے۔
۱۹۸) اصلی علت بیماری کی سی ہے (ص ۵۰۲)	اصلی علت بیماری کی یہی (؟) ہے۔
۱۹۹) میرا ارادہ صرف ایک روز آنے کا ہے (ص ۵۰۴)	میرا ارادہ صرف ایک روز کے لئے آنے کا ہے
۲۰۰) قیام ضروری ہے تو قیام کا بندوبست کر لوں گا (ص ۵۰۴)	قیام ضروری ہے تو پھر قیام کا بندوبست کرلوں گا۔
۲۰۱) باقی میری تمام صحت اس وقت تک خدا کے فضل سے اچھی ہے۔ (ص ۵۰۴)	باقی میری عام صحت اس وقت تک خدا کے فضل سے اچھی ہے۔
۲۰۲) وہاں قیام کرنے کے متعلق کیا ہدایت ہے (ص ۵۰۶)	وہاں چند روز قیام کرنے کے متعلق کیا ہدایت ہے۔
۲۰۳) صبح دوائی نہار کھانی پڑتی ہے (ص ۵۰۶)	صبح دوائی نہار منہ کھانی ہوتی ہے۔
۲۰۴) کس سے پرہیز کیا جائے (ص ۵۰۶)	کس سے پرہیز کی جائے۔
۲۰۵) اس کے تھوڑے عرصے بعد پھر ناشتے کے ساتھ --- (ص ۵۰۶)	اس کے تھوڑے عرصے بعد ناشتے کے ساتھ --
۲۰۶) جو گفتگو ہو اس سے جلد مطلع کریں (ص ۵۰۸)	جو گفتگو ہو اس سے بھی جلد مطلع کریں۔
۲۰۷) مجھے ایسے احساس ہے۔ (ص ۵۱۰)	مجھے ایسا احساس ہے۔
۲۰۸) اگر آسانی کے ساتھ اندر منجمد ہو کر نکل جائے (ص ۵۱۰)	اگر آسانی کے ساتھ منجمد ہو کر نکل جائے
۲۰۹) ان دنوں میں آواز میں فرق ضرور آیا ہے۔ (ص ۵۱۰)	ان چھ دنوں میں آواز میں فرق ضرور آیا ہے
۲۱۰) مگر ایسا نہیں جس کو سب لوگ نوٹ کر سکیں (ص ۵۱۰)	مگر ایسا نمایاں نہیں جس کو سب لوگ فوراً نوٹ کر سکیں۔
۲۱۱) گلابی رنگ کی گولی حکیم صاحب نے ریح کے لئے دی تھی (ص ۵۱۰)	گلابی رنگ کی گولی حکیم صاحب نے کسر ریاح کے لئے دی تھی۔
۲۱۲) میں نے شکایت کی تھی ریح جمع ہو کر تکلیف دیتی ہے (ص ۵۱۰)	میں نے شکایت کی تھی کہ ریح جمع ہو کر تکلیف دیتی ہے

لہ علامہ "پرہیز" کو مونث لکھتے تھے۔ نثر کے علاوہ شعر میں بھی:

ع اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز۔

۲۱۳) دو چار روز کے بعد استعمال سے شکایت --- (ص ۵۱۰)	دو چار روز کے استعمال سے شکایت ---
۲۱۴) دو چار دن کے لئے ٹال دیا ہے (ص ۵۱۰)	دو چار روز کے لئے ٹال دیا ہے
۲۱۵) انسانی ضمیر کے اندر --- (ص ۵۱۱)	انسانی ضمیروں کے اندر ---
۲۱۶) اس سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ میری بیماری میں --- (ص ۵۱۱)	اس کا پتہ چلتا ہے بعض لوگ میری بیماری میں ---
۲۱۷) اس سے زیادہ طاقتور دوا ہو تو اور بھی اچھا ہے (ص ۵۱۱)	اس سے زیادہ طاقتور دوا ہو تو اور بھی اچھا۔
۲۱۸) حکیم صاحب اوقات خاص میں مجھے بھی یاد رکھیں (ص ۵۱۳)	حکیم صاحب کی خدمت میں یہ بھی عرض کریں کہ اوقات خاص میں مجھے بھی یاد رکھیں۔
۲۱۹) میری عمومی صحت بہت اچھی ہے (ص ۵۱۳)	میری عمومی صحت بہت اچھی ہے
۲۲۰) چوزہ کا گوشت کھایا ہے۔ (ص ۵۱۴)	آج چوزہ کا گوشت کھایا ہے
۲۲۱) حکیم صاحب فرماتے تھے (ص ۵۱۶)	حکیم صاحب فرماتے ہیں
۲۲۲) تاکہ آئندہ پروگرام وضع کر سکوں (ص ۵۱۶)	تاکہ میں آئندہ پروگرام وضع کر سکوں۔
۲۲۳) سرودے' نالہ آہ و فغانے۔ (ص ۵۱۷)	سرودے نالہ آہ و فغانے (کذا)
۲۲۴) کتابت اور طباعت کا انتظام (ص ۵۱۸)	کتابت و طباعت کا انتظام
۲۲۵) جو باتیں حکیم سے پوچھ کر لکھنی ہیں۔ (ص ۵۲۳)	جو باتیں حکیم صاحب سے پوچھ کے لکھنی ہیں۔
۲۲۶) دوائی تو دہلی ہی میں شروع کر دی تھی (ص ۵۲۳)	دوائی تو وہیں دہلی سے ہی شروع کر دی تھی۔
۲۲۷) حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں۔ (ص ۵۲۳)	حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجئے۔
۲۲۸) طلوع آفتاب و غروب آفتاب کے وقت سماعت کچھ بہتر نہیں ہوتی (ص ۵۲۵)	طلوع آفتاب و غروب آفتاب کے وقت سماعت کچھ اچھی نہیں ہوتی۔
۲۲۹) گلے کے دونوں اطراف جونک لگوانی چاہیے۔ (ص ۵۲۵)	گلے کے دونوں طرف جونک لگوانی چاہیے۔
۲۳۰) پبلشرز کے متعلق آپ نے ابھی تک --- (ص ۵۲۵)	پبلشر کے متعلق آپ نے ابھی تک ---
۲۳۱) پہلے ہفتے سے ترقی میں ---- (ص ۵۲۷)	پہلے ہفتے کی ترقی میں ---
۲۳۲) بلکہ ترقی معکوس میں ہوئی (ص ۵۲۷)	بلکہ کچھ ترقی معکوس ہی ہوئی
۲۳۳) ان کے وجوہ جہاں تک سوچ سکتا ہوں (ص ۵۲۷)	اس کے وجوہ جہاں تک میں سوچ سکتا ہوں
۲۳۴) حکیم صاحب سے دریافت کریں اور مجھے فوراً اطلاع دیں (ص ۵۲۷)	حکیم صاحب سے دریافت کر کے مجھے فوراً مطلع کریں
۲۳۵) ان کا جواب بھی دیں۔ (ص ۵۲۷)	ان کے جواب بھی دیجئے۔
۲۳۶) مجھے فوراً جواب دیں (ص ۵۲۷)	مجھے فوراً جواب دے دیجئے۔
۲۳۷) مجھے اندیشہ ہوا کہ شاید آپ بیمار ہو گئے ہوں (ص ۵۲۹)	مجھے اندیشہ ہوا کہ شاید آپ بیمار ہو گئے ہوں۔
۲۳۸) کل سلامت اللہ شاہ صاحب سے معلوم ہوا (ص ۵۲۹)	مگر سلامت اللہ شاہ صاحب سے معلوم ہوا۔

۲۳۹) کئی باتیں حکیم صاحب سے کرنے کی تھیں (ص ۵۲۹) — کئی باتیں حکیم صاحب قبلہ سے دریافت کرنے کی تھیں
۲۴۰) اس ہفتے کی ترقی پر --- (ص ۵۲۹) — اس پہلے ہفتے کی ترقی پر
۲۴۱) تیسرے ہفتے میں اس فائدہ میں --- (ص ۵۲۹) — تیسرے ہفتے میں اس فائدے میں ----
۲۴۲) اس کا اثر بھی گلے پر اچھا نہیں پڑا (ص ۵۲۹) — اس کا اثر بھی گلے پر اچھا نہیں پڑتا۔
۲۴۳) اس کا بھی اہتمام ہو جائے (ص ۵۲۹) — اس کا اہتمام بھی ہو جائے۔
۲۴۴) کابل و قندھار کی خشک انجیر مل سکے گی (ص ۵۳۱) — تاہم قندھار کی خشک انجیر مل سکے گی۔
۲۴۵) آج میں نے رجسٹرڈ خط آپ کو لکھا ہے (ص ۵۳۴) — آج میں نے رجسٹرڈ (خط) آپ کو لکھا ہے۔
۲۴۶) انشاء اللہ کل سے استعمال شروع ہو گا (ص ۵۳۴) — انشاء اللہ کل سے دوا کا استعمال شروع ہو گا۔
۲۴۷) آپ کا خط مل گیا ہے (ص ۵۳۴) — آپ کا خط آج مل گیا ہے
۲۴۸) الحمدللہ خیریت ہے (ص ۵۳۴) — الحمد للہ کہ خیریت ہے
۲۴۹) امید ہے کہ فائدہ ہو گا (ص ۵۳۴) — امید کہ فائدہ ہو گا۔
۲۵۰) صحت مجموعی بہت اچھی ہے (ص ۵۳۴) — صحت عمومی بہت اچھی ہے
۲۵۱) آپ کھانے پینے کی چیزوں کے مفصل ہدایات حاصل کریں (ص ۵۳۴) — آپ کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق حکیم صاحب سے مفصل ہدایات حاصل کریں۔
۲۵۲) کوئی ایسی دوا ڈال دیں (ص ۵۳۵) — کوئی ایسی دوا بھی ڈال دیں۔
۲۵۳) ہم نے جو خواب تمہارے اور فلیب ارسلان کے متعلق دیکھا ہے (ص ۵۳۵) — ہم نے جو خواب تمہارے اور امیر فلیب ارسلان کے متعلق دیکھا ہے۔
۲۵۴) معلوم نہیں ہو سکا کون ہے (ص ۵۳۵) — معلوم نہیں ہو سکا کہ کون ہے۔
۲۵۵) اسے حضرت کے مزار لے جاؤں گا (ص ۵۳۵) — اسے حضرت کے مزار پر لے جاؤں گا۔
۲۵۶) تاکہ یہ عہد بھی پورا ہو جائے (ص ۵۳۵) — تاکہ یہ عہد بھی پورا ہو جائے۔
۲۵۷) منشی طاہر الدین اور علی بخش ہمراہ ہوں گے (ص ۵۳۵) — منشی طاہر دین اور علی بخش بھی ہمراہ ہوں گے
۲۵۸) غرضیکہ ہفتہ کے دن --- (ص ۵۳۸) — غرضکہ ہفتہ کے دن۔
۲۵۹) دوا روانہ کروا دیں (ص ۵۳۸) — دوا روانہ کرا دیں
۲۶۰) اس کو کھاتے ہوئے چار روز ہو گئے ہیں' یہ پانچواں دن ہے (ص ۵۳۸) — اس کو کھاتے ہوئے چار روز ہو گئے آج پانچواں دن ہے۔
۲۶۱) ناشتہ کے ساتھ کھائی جاتی ہے (ص ۵۳۸) — ناشتہ کے ساتھ کھائی جائے گی
۲۶۲) مجھ کو مطلع فرمائیں (ص ۵۳۸) — مجھے مطلع فرمائیں۔
۲۶۳) الحمدللہ خیریت ہے (ص ۵۴۰) — الحمد للہ کہ خیریت ہے
۲۶۴) جولائی کے آخر میں آئیں گے (ص ۵۴۰) — جولائی کے آخر میں میسر آئیں گے
۲۶۵) یہ شہر فرخ سیر کے زمانے میں بحال تھا (ص ۵۴۰) — یہ شہر فرخ سیر کے زمانے تک بحال تھا۔

۲۶۶) موجودہ لاہور سے آبادی وسعت کے لحاظ سے دگنا تھا۔ (ص ۵۴۰)
موجودہ لاہور سے آبادی و وسعت کے لحاظ سے دگنا تھا۔

۲۶۷) ڈاکٹر کرم کی دفعتہً تبدیلی ہو گئی ہے (ص ۵۴۳)
ڈاکٹر کوم کی دفعتہً تبدیلی ہو گئی ہے۔

۲۶۸) سوموار کے روز RAY فوٹو پھر لیا جائے گا (ص ۵۴۴)
سوموار کے روز X - RAY فوٹو پھر لیا جائے گا۔

۲۶۹) ڈاکٹر یار محمد خاں کل کہتے تھے (ص ۵۴۴)
ڈاکٹر یار محمد خان کل یہ کہتے تھے

۲۷۰) کیونکہ یہ آپ کی صحت دیگر حالات سے مطابقت نہیں کھاتی (ص ۵۴۴)
کیونکہ یہ آپ کی صحت کے دیگر حالات سے مطابقت نہیں کھاتی۔

۲۷۱) اگر شاہ رگ کا پھیلاؤ ہو (ص ۵۴۴)
اگر شاہ رگ کا پھیلاؤ ہے۔

۲۷۲) تو پھر جیسا کہ اغلب ہے کوئی دوا اس کو --- (ص ۵۴۴)
جیسا کہ اغلب ہے تو کوئی دوا اس کو ---

۲۷۳) RADIUM یا DEEP کا علاج ضروری ہے (ص ۵۴۴)
RADIUM یا DEEP X - RAY کا علاج ضروری ہے۔

۲۷۴) غرضیکہ اس وقت --- (ص ۵۴۴)
غرضکہ اس وقت ---

۲۷۵) اس سے مجھے مطلع کریں (ص ۵۴۴)
اس سے مجھے بھی مطلع کریں

۲۷۶) نتیجہ آنے کے بعد مفصل لکھوں گا (ص ۵۴۴)
نتیجہ آنے کے بعد پھر مفصل لکھوں گا۔

۲۷۷) ایک خط آج پھر لکھ رہا ہوں (ص ۵۴۷)
ایک خط آج ہی لکھ چکا ہوں

۲۷۸) پچاس سال پرانی کلفند --- (ص ۵۴۷)
پچاس سال کی پرانی کلفند ---

۲۷۹) ان سے پوچھئے کہ کلفند کے استعمال کے متعلق --- (ص ۵۴۷)
ان سے پوچھئے کہ وہ اس کلفند کے استعمال کی متعلق ---

۲۸۰) اگر مرچ سرخ، مسالہ، گوشت اور سبزی وغیرہ ڈالنا چاہیے یا نہ (ص ۵۴۷)
اگر مرچ (سرخ) مسالہ، گوشت اور سبزی وغیرہ میں ڈالا جائے یا نہ

۲۸۰ ا) شہد HONEY کے استعمال کے متعلق بھی ہدایات معلوم کیجیے (ص ۵۴۷)
شہد کے استعمال کے متعلق بھی ہدایت حاصل کیجئے۔

۲۸۱) X _ RAY بدھ ہو گا (ص ۵۴۷)
X - RAY کل (بدھ) ہو گا۔

۲۸۲) آج اسے کھاتے ہوئے چار روز ہوئے ہیں (ص ۵۴۹)
آج اس کھاتے ہوئے چار روز ہوتے ہیں

۲۸۳) ہفتہ ختم ہونے کے بعد پھر لکھوں گا (ص ۵۴۹)
ہفتہ ختم کرنے کے بعد پھر لکھوں گا

۲۸۴) شکایت رفع نہیں ہوئی۔ (ص ۵۴۹)
شکایت نئی دواؤں سے رفع نہیں ہوئی

۲۸۵) اس کے متعلق ہدایت کال کر کے مجھے لکھیے۔ (ص ۵۴۹)
اس کے متعلق ہدایت حاصل کر کے مجھے جلد لکھئے۔

۲۸۶) یہ بات اب یقین ہو گئی کہ --- (ص ۵۴۹)
یہ بات اب تحقیق ہو گئی ہے کہ ---

۲۸۷) یہ شاہ رگ کا پھیلاؤ یا تو خون کے سی مادوں کی وجہ سے
یہ شاہ رگ کا پھیلاؤ یا تو خون کے سمی مادوں

پیدا ہوتی ہے --- (ص ۵۴۹)	کی وجہ سے پیدا ہوتی (کذا) ہے ---
۲۸۸) یا بعض پہلوانوں اور گولوں کو --- (ص ۵۴۹)	یا بعض پہلوانوں اور گویّوں کو ----
۲۸۹) اور اب تک اس پر کوئی تبدیلی نہیں ہوئی (ص ۵۵۱)	اور اب تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی
۲۹۰) پہلے لکھ چکا ہوں ٹیومر کی تھیوری خود ایکس رے نے بھی غلط ثابت کر دی ہے (ص ۵۵۱)	میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ٹیومر کی تھیوری خود ایکس رے نے ہی غلط ثابت کر دی ہے۔
۲۹۱) یہ ایک قسم کی SWELLING ہے	یہ بھی ایک قسم کا SWELLING ہی ہے
۲۹۲) ڈاکٹر اب بھی کہتے ہیں کو ٹیومر نہیں ہے --- (ص ۵۵۱)	ڈاکٹر اب بھی کہتے ہیں کہ کو ٹیومر نہیں ہے ---
۲۹۳) دواؤں کے ذریعے روکنے کی کوشش کی جائے (ص ۵۵۲)	دواؤں کے ذریعے سے روکنے کی کوشش کی جائے۔
۲۹۴) تاکہ مجھے اطمینان ہو (ص ۵۵۳)	تا مجھے اطمینان ہو
۲۹۵) ناشتہ ۷-۸ کے درمیان کرتا ہوں (ص ۵۵۴)	ناشتہ ۷-۸ کے درمیان کر لیتا ہوں۔
۲۹۶) ۵ بجے کھانا کھاتا ہوں ---- مگر تیتر کا ملنا اس موسم میں ناممکن ہے۔ (ص ۵۵۴)	11 بجے کھانا کھاتا ہوں۔ اس میں دوسرے تیسرے روز مرغ کا گوشت کھاتا ہوں مگر تیتر کا ملنا اس موسم میں ناممکن ہے۔
۲۹۷) مجھے اس سے کراہت آتی ہے (ص ۵۵۴)	مجھے اس سے بہت کراہت ہے۔
۲۹۸) تمام عمر میں کبھی ایسا نہیں کیا (ص ۵۵۴)	تمام عمر میں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔
۲۹۹) ایک دو امور اور دریافت طلب ہیں (ص ۵۵۸)	ایک دو اور امور دریافت طلب ہیں
۳۰۰) --- ہدایت دی ہے گلے کے دونوں طرف --- (ص ۵۵۸)	ہدایت دی ہے کہ گلے کے دونوں طرف ---
۳۰۱) میں نے ان سب لیپ کے اجزاء دریافت کئے (ص ۵۵۸)	میں نے ان سے لیپ کے اجزاء دریافت کئے۔
۳۰۲) جراح کا بھی یہی خیال ہے (ص ۵۵۸)	جراح کا بھی خیال یہی ہے
۳۰۳) پھر کسی دوا لگانے یا کھانے کی ضرورت نہ رہے (ص ۵۵۸)	پھر کسی دوا کے لگانے یا کھانے کی ضرورت نہ رہے
۳۰۴) غرضیکہ اس کو بہت دعویٰ اس پر ہے ---- (ص ۵۵۸)	غرضکہ اس کو بہت دعوی اس پر ہے ---
۳۰۵) ممکن ہے مجھے اس ماہ کے اندر اندر انگلستان جانا پڑے (ص ۵۶۰)	ممکن ہے کہ مجھے ایک ماہ کے اندر اندر ہی انگلستان جانا پڑے
۳۰۶) میں نے خلیفہ شجاع الدین سیکرٹری کمیٹی سے کہہ دیا ہے کہ فیصلہ سے ان کو مطلع کر دیں۔ (ص ۵۶۰)	میں نے خلیفہ شجاع الدین اور نیز سیکرٹری کمیٹی سے کہہ دیا ہے کہ فیصلہ سے ان کو مطلع کر دے
۳۰۷) مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مصروفیتوں نے --- (ص	مگر معلوم ہوتا ہے ان کی مصروفیتوں نے ---

لہ مرتب یہاں کچھ لفظ عکس کے غیر واضح ہونے کے باعث نہیں پڑھ سکے۔ میرے ذخیرہ نوادر میں اس خط کا عکس واضح ہے چنانچہ یہ عکس کاملاً شامل مضمون کیا جاتا ہے۔

۵۶۳)	
۳۰۸) مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجیے۔ (ص ۵۶۳)	مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں
۳۰۹) فقط (ص ۵۶۳)	والسلام
۳۱۰) الحمد للہ خیریت ہے (ص ۵۶۳)	الحمد للہ کہ خیریت ہے
۳۱۱) اپنی اس بیماری کو خدا کی رحمت تصور کروں گا (ص ۵۶۳)	اپنی اس چھ ماہ کی بیماری کو خدا کی رحمت تصور کروں گا۔
۳۱۲) غالباً" قرول باغ میں ہی ہیں (ص ۵۶۳)	غالباً" وہ قرول باغ ہی میں ہیں۔
۳۱۳) ایک روز دہلی میں بھی ٹھہروں گا۔ (ص ۵۶۳)	ایک روز دہلی بھی ٹھہروں گا
۳۱۴) آپ نے لیکچروں کی طباعت کے متعلق بھی کچھ نہیں لکھا (ص ۵۶۵)	آپ نے لیکچروں کی طباعت کے متعلق پھر کچھ نہیں لکھا
۳۱۵) اگر آپ جامعہ سے بہتر ٹرمز ملتے ہیں تو فیصلہ کر کے طباعت کے لئے ان کو دے دینے چاہئیں۔ (ص ۵۶۵)	اگر آپ کو جامعہ سے بہتر ٹرمز ملتے ہیں تو فیصلہ کر کے طباعت کے لئے ان کو دے دینا چاہئے
۳۱۶) سر ہنری لارنس کا آرٹیکل ملفوف ہے (ص ۵۶۶)	سر ہنری لارنس کے آرٹیکل ملفوف ہیں۔
۳۱۷) ملک کے اندر اور باہر بہتیرے لوگوں کو --- (ص ۵۶۷)	ملک کے اندر اور باہر بہتیرے لوگوں کو ---
۳۱۸) ڈاکٹر ویانا VIENNA میں معالجہ کرانے کی رائے دیتے ہیں (ص ۵۶۸)	ڈاکٹر وی اینا VIENNA میں معالجہ کرانے کی رائے دیتے ہیں
۳۱۹) --- میرے لئے ممکن ہو سکے گا (ص ۵۶۸)	میرے لئے ممکن ہو گا
۳۱۹الف) ابھی تک کوئی دوا کارگر نہیں ہوئی۔ (ص ۵۶۹)	ابھی کوئی دوا کارگر نہیں ہوئی
۳۲۰) کیا وجہ ہے کہ دوائی --- (ص ۵۶۹)	کیا وجہ ہے کہ دوا---
۳۲۱) بلغم بھی کچھ خارج ہوتا رہتا ہے (ص ۵۷۱)	بلغم بھی کچھ خارج ہوتا رہتا ہے
۳۲۲) کسی قسم کے دانے یا پھنسی گلے پر نہ نکلے (ص ۵۷۱)	کسی قسم کے دانے یا پھنسی گلے پر نہ نکلیں۔
۳۲۳) آواز کے لئے خاص زود اثر دوا کی ضرورت ہے (ص ۵۷۱)	آواز کی لئے خاص اور زود اثر دوا کی ضرورت ہے
۳۲۴) یہ کمیٹی کی طرف سے باقاعدہ اطلاع آنے پر --- (ص ۵۷۱)	کمیٹی کی طرف سے باقاعدہ اطلاع آنے پر ---
۳۲۵) وائنا میں چار پانچ ماہ قیام رہے گا (ص ۵۷۳)	وی اینا میں کم از کم چار پانچ ماہ قیام رہے گا
۳۲۶) کچھ دیر اور ان کا علاج کروں گا[1] (ص ۵۷۳)	کچھ دیر اور ان کے زیر علاج رہوں گا۔
۳۲۷) صاحبزادہ صاحب میرے دوست اور نہایت عمدہ آدمی	صاحبزادہ صاحب میرے دوست اور نہایت عمدہ آدمی ہیں اور وہ

[1] مرتب کی کرشمہ کاری سے مریض معالج ہو گیا اور معالج مریض۔

ہیں۔ نواب بھوپال بھی انگلستان میں ہیں (ص ۵۷۵)	مجوزہ مسلم مرکز کے ساتھ یقیناً ہمدردی رکھیں گے۔ نواب بھوپال بھی انگلستان میں ہیں۔
۳۲۸) مخلص، محمد اقبال (ص ۵۷۵)	آپ کا مخلص، محمد اقبال
۳۲۹) یورپ میں طوفان پل رہے ہیں (ص ۵۷۵)	یورپ میں آتش فشاں پل رہے ہیں
۳۳۰) نظام بخوشی اس مسئلہ میں آپ کا ساتھ دیں گے۔ (ص ۵۷۵)	ہز اگزالٹڈ ہائی نیس نظام بخوشی اسی مسئلہ میں آپ کا ساتھ دیں گے
۳۳۱) --- تاکہ حکیم صاحب سے ایک اور گولی لے کر اس کو پان میں چبانے کی دوا کے ساتھ ملوائیں (ص ۵۷۷)	کہ حکیم صاحب سے ایک گولی اور لے کر وہیں اس کو پان میں چبانے کی دوا کے ساتھ ملوائیں۔
۳۳۲) ممکن ہے حکیم صاحب کوئی اور تبدیلی بھی کر لیں (ص ۵۷۷)	ممکن ہے حکیم صاحب کوئی اور تبدیلی بھی کریں۔
۳۳۳) قبض کی اب مجھے شکایت نہیں (ص ۵۷۸)	قبض کی اب مجھے کوئی شکایت نہیں۔
۳۳۴) قبض دور ہو گیا کوئی شکایت باقی نہیں سوائے آواز کی شکایت کے (ص ۵۷۸)	قبض کی کیا کوئی شکایت باقی نہیں سوائے آواز کی شکایت کے
۳۳۵) میں ان کی تنخواہ مقرر کر دوں (ص ۵۷۸)	میں ان کی تنخواہ مقرر کروں۔
۳۳۶) وہ خود REASONABLE REDUCTION اس میں کر دیں (ص ۵۷۸)	وہ خود ہی REASONABLE REDUCTION اس میں کر دیں
۳۳۷) فی الحال ۲۵۰ روپیہ ماہوار قبول کریں (ص ۵۷۸)	فی الحال ۲۵۰ روپیہ ماہوار قبول کرلیں۔
۳۳۸) اگر مجوزہ رسالہ بھی وہ نکالتے ہیں (ص ۵۷۸)	اگر مجوزہ رسالہ بھی وہ نکالتے رہیں۔
۳۳۹) السلام علیکم (ص ۵۸۱)	×
۳۴۰) آواز پھر کچھ رو صحت معلوم ہوتی ہے (ص ۵۸۶)	آواز بھی کچھ رو بصحت معلوم ہوتی ہے
۳۴۱) امید ہے کہ آپ بھی اچھے ہوں گے۔ (ص ۵۸۶)	امید کہ آپ بھی اچھے ہوں گے۔
۳۴۲) آپ کا مرسلہ پارسل دوا کا مل گیا ہے (ص ۵۸۸)	آپ (کا) مرسلہ پارسل دوا مل گیا ہے۔
۳۴۳) یہ مفصل لکھیے کہ آپ کا مطلب کیا ہے (ص ۵۸۸)	مفصل لکھیے کہ آپ کا کیا مطلب ہے۔
۳۴۴) یہ پھر تحریر فرمایئے کہ --- (ص ۵۸۸)	یہ بھی تحریر فرمایئے کہ ---
۳۴۵) سلام عرض کریں۔ (ص ۵۸۸)	سلام عرض کیجئے۔
۳۴۶) بخار مجھے نہیں ہوا (ص ۵۹۰)	بخار آج نہیں ہوا
۳۴۷) حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں (ص ۵۹۰)	حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجئے۔
۳۴۸) اس کے بعد اردو کا مجموعہ دے دیا جائے گا (ص ۵۹۳)	اس کے بعد اردو کا مجموعہ دیا جائے گا
۳۴۹) امید ہے اس دوا سے آواز کی کشائش ہو گی (ص ۵۹۵)	امید کہ اس دوا سے آواز کی کشائش ہو گی۔

۳۵۰) سان پر چڑھانا یا سان پر لٹکانا یا سان چڑھانا (بغیر حروف پر کے) (ص ۵۹۴)	سان پر چڑھانا' سان پر چڑھنا یا سان پر لگانا یا سان چڑھانا (بغیر حرف پر کے)
۳۵۱) ادارے کے متعلق رائے قائم ہے (۵۹۴)٭	ــــــــ
۳۵۲) پاخانہ کی حالت بہت اچھی تھی (ص ۵۹۷)	پاخانے کی حالت بہت اچھی تھی
۳۵۳) مگر بہت نرم تر (ص ۵۹۷)	مگر بہت نرم۔
۳۵۴) خوراک نصف کرنے کی ضرورت نہیں ہے (ص ۵۹۹)	خوراک کے نصف کرنے کی ضرورت نہیں ہے
۳۵۵) جہاں تک میں اندازہ کر سکتا ہوں (ص ۵۹۹)	جہاں تک میں انداز کر سکا ہوں۔
۳۵۶) فی الحال مسافر (سیاحت چند روز افغانستان) کی کتابت شروع ہے۔ (ص ۵۹۹)	فی الحال مسافر (سیاحت چند روزہ افغانستان) کی کتابت شروع ہے
۳۵۷) غالباً کل یا پرسوں ختم ہو جائے (ص ۵۹۹)	غالباً کل یا پرسوں ختم ہو جائے گی۔
۳۵۸) جن صاحب سے آپ نے گفتگو کی ہے --- (ص ۶۰۱)	جن ... آپ نے گفتگو کی ہے---
۳۵۹) میں اس بات میں بڑا حساس ہوں (ص ۶۰۳)	میں اس بارے میں بڑا احساس ہوں
۳۶۰) مولوی شفیع داؤدی شملہ میں ہیں (ص ۶۰۳)	مولانا شفیع داؤدی شملہ میں ہیں
۳۶۱) معلوم نہیں آپ کا شملہ میں کیا شغل ہے (ص ۶۰۳)	معلوم نہیں شملہ میں آپ کا کیا شغل ہے
۳۶۲) بہت سے امور ہیں جو خطوط میں نہیں لکھے جا سکے (ص ۶۰۳)	بہت سے امور ہیں جو خطوط میں نہیں لکھے جا سکتے۔
۳۶۳) دواؤں کا پارسل نہیں ملا (ص ۶۰۵)	دواؤں کا پارسل ابھی نہیں ملا
۳۶۴) بعض دفعہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آنکھ کے سامنے اندھیرا ہو جائے (ص ۶۰۵)	بعض دفعہ ایسا ہوتا تھا جیسا (کذا) آنکھ کے سامنے اندھیرا ہو جائے۔
۳۶۵) جہاں تک ہو سکے۔ (ص ۶۰۵)	جہاں تک ممکن ہو۔
۳۶۶) کیشن پر رعایت مقصود ہے (ص ۶۰۵)	کیشن میں رعایت مقصود ہے
۳۶۷) یہ میں ... نہیں سکا (ص ۶۰۵)	میں بھیج نہیں سکا۔
) باقی بال جبریل کی پہلی ایڈیشن --- (ص ۶۰۵)	بال جبریل کی پہلی ایڈیشن ---
۳۶۸) قریباً ایک سو کاپی کاٹل جائیں گی (ص ۶۰۵)	قریباً ایک سو کاپی کاٹل جائے گی
۳۶۹) روپیہ کس قدر ادا ہو گا (ص ۶۰۶)	روپیہ کس طرح ادا ہو گا
۳۷۰) کیونکہ اس پر باقی باتوں کا دارومدار ہے (ص ۶۰۶)	کیونکہ اسی پر باقی باتوں کا دارومدار ہے

٭ "ادارے" سے علامہ اقبال کی مراد کیا تھی۔ اس ضمن میں مکتوب الیہ نذیر نیازی نے ایک مفید حاشیہ لکھا تھا جو زیر نظر کتاب کے مرتب سہواً درج نہیں کر پائے۔ حاشیہ درج ہے:" ادارہ اس لئے کہ حضرت علامہ اقبال ایک اعلیٰ پایہ کی مجلس علم قائم کرنا چاہتے تھے جو معارف اسلامیہ کی تحقیق اور تجدید کا بیڑا اٹھائے"------

۳۷۱) لیکچروں کے ترجمے کے متعلق (ص ۶۰۶)

۳۷۲) پریس کے منیجر کی طرف سے باقاعدہ خط مجھے لکھوایئے (ص ۶۰۶)

۳۷۳) پھر میں اس کا جواب دے سکوں گا (ص ۶۰۶)

۳۷۴) بال جبریل اور مسافر پہلی ایڈیشن کی خریداری کے متعلق بھی ان کا ایک خط اسی قسم کا آنا چاہیے (ص ۶۰۶)

۳۷۵) اور جو کہ شکایت میں نے ایک دو روز ہوئے لکھی تھی یعنی یہ کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا ہو جاتا ہے' وہ خود بخود رفع ہو گئی ہے (ص ۶۰۹)

۳۷۶) رات کے سوتے وقت جو دوائی کھائی جاتی ہے --- (ص ۶۰۹)

۳۷۷) اگر اس میں پوری مقدار کھالی جائے --- (ص ۶۰۹)

۳۷۸) رات کے چار بجے ہی --- (ص ۶۰۹)

۳۷۹) جاوید کی والدہ مدت سے علیل ہے (ص ۶۰۹)

۳۸۰) انڈا وغیرہ کھائیں --- (ص ۶۱۳)

۳۸۱) مگر چار پانچ دفعہ آتا ہے (ص ۶۱۳)

۳۸۲) مگر آفتاب نکل آیا ہے (ص ۶۱۳)

۳۸۳) ہر دو کے متعلق ٹرم لکھ بھیجیں (ص ۶۱۳)

۳۸۴) آپ کے خط کا انتظار تھا جو نہیں ملا (ص ۶۱۳)

۳۸۵) خفیف سی تبدیلی جو کہ مدت ہوئی تھی وہی ہے (ص ۶۱۳)

۳۸۶) باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ (ص ۶۱۳)

۳۸۷) معلوم ہوتا ہے وہ خط بھی آپ کو نہیں ملا تو جلد مطلع کریں تاکہ دوبارہ لکھوں۔ (ص ۶۱۶)

۳۸۸) افسوس کہ آواز میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی (ص ۶۱۶)

۳۸۹) روٹ کے رو سے اس کے معنی کیا ہیں (ص ۶۱۷)

۳۹۰) ایک صاحب کے پاس شاہ ولی اللہؒ کے تفہیمات الہیہ کی دوسری جلد ہے (ص ۶۲۰)

۳۹۱) تعجب ہے مجھ تک نہیں پہنچا (ص ۶۲۰)

لیکچروں کے ترجمہ کے متعلق

پریس کے منیجر صاحب کی طرف سے باقاعدہ خط مجھے لکھوایئے

پھر میں اس کا جواب دے دوں گا

بال جبریل اور مسافر کی پہلی کل ایڈیشن کی خریداری کے متعلق بھی ان کا ایک خط اسی قسم کا آنا چاہئے۔

اور جو کچھ شکایت میں نے ایک دو روز ہوئے لکھی تھی یعنی یہ کہ آنکھ کے سامنے اندھیرا سا ہو جاتا ہے وہ خود بخود رفع ہو گئی ہے۔

رات کو سوتے وقت جو دوائی کھائی جاتی ہے۔

اگر اس کی پوری مقدار کھائی جائے۔

رات چار بجے ہی---

جاوید کی والدہ ایک مدت سے علیل ہے

انڈا وغیرہ کھالیں---

مگر دن میں چار پانچ دفعہ آتا ہے۔

مگر اب آفتاب نکل آیا ہے۔

ہر دو کتب کے متعلق ٹرم لکھ بھیجیں۔

آپ کے خط کا انتظار تھا نہیں ملا۔

خفیف سی تبدیلی جو کچھ مدت ہوئی' ہوئی تھی' وہی ہے

باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے

معلوم ہوتا ہے وہ خط بھی آپ کو نہیں ملا' اگر نہیں ملا تو جلد مطلع کریں کہ دوبارہ لکھوں

افسوس کہ آواز میں اب تک کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی۔

روٹ کی رو سے اس کے معنی کیا ہیں۔

ایک صاحب کے پاس شاہ ولی اللہ کی تفہیمات الہیہ کی دوسری جلد ہے۔

تعجب ہے کہ مجھ تک نہیں پہنچا

۳۹۲) جامعہ کیشن پر خرید سکتا ہے (ص ۳۳)	جامعہ بھی کیشن پر خرید سکتا ہے۔
۳۹۳) اس پر جامعہ کے ٹرمز درج ہوں تاکہ اسے فائل میں رکھ دوں (ص ۳۳)	اس میں جامعہ کے ٹرمز درج ہوں تاکہ میں اسے فائل میں رکھ دوں۔
۳۹۴) کل کابل سے سردار بھی آگیا ہے (ص ۳۵)	کل کابل سے سردار بھی آگیا۔
۳۹۵) بہ نسبت سابق قدر فرق ضرور ہے (ص ۳۶)	بہ نسبت سابق کسی قدر فرق ضرور ہے۔
۳۹۶) امید ہے کہ آپ کا مزاج اچھا ہو گا۔ (ص ۳۱)	امید کہ آپ کا مزاج اچھا ہو گا۔
۳۹۷) سردار صلاح الدین سلجوقی افغانی میرے دوست ہیں (ص ۳۱)	سردار صلاح الدین سلجوقی قنصل افغانی میرے دوست ہیں
۳۹۸) میں شملہ آتا تو انہیں کے یہاں ٹھہرتا (ص ۳۱)	میں شملہ آتا تو انہی کے ہاں ٹھہرتا۔
۳۹۹) لاہور میں ایک عالم ترک آیا تھا (ص ۳۶)	لاہور ایک عالم ترک آیا تھا۔
۴۰۰) جو خود اس بیماری کا مریض رہ چکا ہے عراق میں --- (ص ۳۸)	جو خود اس بیماری کا مریض رہ چکا ہے کہ (کذا) عراق میں---
۴۰۱) اس نسخے سے اسے فائدہ ہو گیا۔ (ص ۳۸)	اسی نسخے سے اسی فائدہ ہو گا (کذا)
۴۰۲) دو تین روز تک مگر آواز پر اس نے اچھا اثر نہیں کیا (ص ۳۸)	دو تین روز تک کھایا مگر آواز پر اس نے اچھا اثر نہیں کیا۔
۴۰۳) کوئی خط ابھی تک مجھے جامعہ کی طرف سے نہیں آیا (ص ۳۸)	کوئی خط ابھی تک جامعہ کی طرف سے نہیں آیا۔
۴۰۴) امید ہے پہنچے ہوں (ص ۳۱)	امید کہ پہنچے ہوں۔
۴۰۵) آپ کا مرسلہ پارسل دوا بمع آپ کا خط مل گیا ہے (ص ۳۳)	آپ کا مرسلہ پارسل دوا مع آپ کے خط کے مل گیا ہے
۴۰۶) اس واسطے جب کبھی کوئی شخص دوا بتاتا ہے --- (ص ۳۳)	اسی واسطے جب کبھی کوئی شخص دوا بتاتا ہے ---
۴۰۷) دوا بتانے والے سے یہی کہتا ہوں (ص ۱۳۳)	دوا بتانے والے سے بھی یہی کہتا ہوں۔
۴۰۸) انشاء اللہ ان ہی کی ہدایت پر عمل ہو گا (ص ۱۳۳)	انشاء اللہ انہی کی ہدایات پر عمل رہے گا۔
۴۰۹) ان دواؤں میں جو آپ نے ارسال کی ہیں (ص ۱۳۳)	ان دواؤں میں جو اب آپ نے ارسال کی ہیں۔
۴۱۰) حبوب آواز کشا جو آپ نے ارسال کی تھی (ص ۱۳۴)	حبوب آواز کشا جو آپ نے ارسال کی تھیں۔
۴۱۱) گولیاں حکیم صاحب سے کہہ کر ارسال کریں (ص ۱۳۴)	گولیاں حکیم صاحب سے لے کر ارسال کریں۔
۴۱۲) جو گولی کھانے کے لئے ہے اسے چوسنا چاہیے (ص ۱۳۴)	جو گولی کھانے کی ہے اسے چوسا جائے۔

لے "اقبال جہان دیگر" میں بھی "قدر" (را بالکسر) ہی ہے۔ دیکھئے کتاب مذکور کا صفحہ ۸۳۔

۴۱۳) اس کے متعلق بھی کوئی ہدایت نہیں چوسی جاے گی یا نگلی جائےگی (ص ۴۳۴)	اس کے متعلق بھی کوئی ہدایت نہیں کہ چوسی جائے گی یا نگلی جائے گی
۴۱۴) علی گڑھ کے متعلق جو میں نے لکھا تھا اس سے میری مراد بھی یہی ANTI - GOD سوسائٹی تھی۔ (ص ۴۳۴)	ملیگڑھ کے متعلق جو میں نے لکھا تھا اس سے میری مراد یہی ANTI - GOD سوسائٹی تھی۔
۴۱۵) صبح کی نماز گریہ زاری کی کوئی حد نہ رہی (ص ۴۳۴)	صبح کی نماز میں گریہ و زاری کی کوئی حد نہ رہی۔
۴۱۶) غرضیکہ اس کے متعلق اطلاع جلد بھجوایئے (ص ۴۳۴)	غرضکہ اس کے متعلق اطلاع جلد بھجوایئے۔
۴۱۷) یہ ہی عرض ہے (ص ۴۳۴)	یہی عرض ہے۔
۴۱۸) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ --- (ص ۴۳۸)	ایسا معلوم ہوتا ہے آپ ---
۴۱۹) صبح کو بٹیر اور شام کو تیتر کھاتا ہوں (ص ۴۳۸)	صبح بٹیر اور شام کو تیتر کھاتا ہوں۔
۴۲۰) آواز کشا حبوب آپ نے اب تک ارسال نہیں کی۔ (ص ۴۳۸)	آواز کشا حبوب آپ نے اب تک ارسال نہیں کیں۔
۴۲۱) حکیم صاحب سے دریافت کریں کہ اس کا استعمال ضروری ہو تو ارسال کریں یا اس کی جگہ پان کی جڑ --- (ص ۴۳۸)	حکیم صاحب سے دریافت کرکے اگر ان کا استعمال ضروری ہو تو ارسال کریں یا ان کی جگہ پان کی جڑ
۴۲۲) جامعہ کی طرف سے ابھی تک --- (ص ۴۳۸)	جامعہ ملیہ کی طرف سے ابھی تک ---
۴۲۳) ان سے معلوم کر کے لکھیے --- (ص ۴۳۸)	ان سے معلوم کرکے مجھے لکھیے[1]
۴۲۴) حکیم صاحب کی خدمت میں بھی عرض کر دیں (ص ۴۴۰)	حکیم صاحب کی خدمت میں پھر عرض کر دیں۔
۴۲۵) اسے ایک مدت سے یہ شکایت ہے کہ تلی بڑھ گئی ہے (ص ۴۴۰)	اسے ایک مدت سے یہ شکایت ہے کہ طحال بڑھ گئی ہے۔
۴۲۶) ہاتھ سے کوئی چیز اٹھانا مشکل ہو جاتا ہے (ص ۴۴۰)	ہاتھ سے کوئی چیز اٹھانا اس کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔
۴۲۷) جاوید کی والدہ صاحب کے لئے بھی --- (ص ۴۴۰)	جاوید کی والدہ کے لئے بھی ---
۴۲۸) امید ہے پہنچا ہو گا (ص ۴۴۵)	امید کہ پہنچا ہو گا۔
۴۲۹) کتابت کی طباعت کا انتظام --- (ص ۴۴۵)	کتاب کی طباعت کا انتظام ---
۴۳۰) اگر حکیم صاحب کا ارادہ --- (ص ۴۴۵)	اگر حکیم صاحب (کا) ارادہ ---
۴۳۱) آج شام سے دوا شروع کروں گا (ص ۴۴۷)	آج شام سے ہی شروع کروں گا۔
۴۳۲) مجھے مغز سے خواہ وہ کسی جانور کا ہو سخت کراہیت ہوتی ہے (ص ۴۴۷)	مجھے مغز سے خواہ وہ کسی جانور کا ہو سخت کراہت ہوتی ہے۔
۴۳۳) دوا تجویز فرمائیں۔ (ص ۴۴۷)	دوا تجویز فرمایئے۔

[1] زیر نظر کتاب کے اس صفحے (ص ۴۳۸) پر سید نذیر نیازی کے نام اس نو سطری مکتوب میں اکٹھی آٹھ غلطیاں ہیں یعنی فی سطر تناسب تقریباً" ایک غلطی رہا۔ اسی کو "درست ترین" اور ہر "اعتبار سے قابل تعریف" کارنامہ قرار دیا گیا ہے۔

٤٣٤)	ابھی تاریخ ان کے آنے کی عرض نہیں کر سکتا (ص ٦٥٠)	ابھی تاریخ ان کے آنے کی نہیں عرض کر سکتا۔
٤٣٥)	آپ کی علالت کا معلوم کر کے افسوس ہوا (ص ٦٥٠)	آپ کی علالت کا حال معلوم کر کے افسوس ہوا۔
٤٣٦)	اس کی فروخت کا انتظام بھی ہو گیا ہے (ص ٦٥٢)	اس کی فروخت کا بھی انتظام ہو گیا ہے۔
٤٣٧)	اگر تیار شدہ ممکن ہو --- (ص ٦٥٢)	اگر تیار شدہ ملتا ہو ---
٤٣٨)	اٹھتے ہوئے سر میں چکر آجاتا ہے (ص ٦٥٣)	اٹھتے ہوئے سر میں چکر سا آجاتا ہے۔
٤٣٩)	مندرجہ ذیل باتیں ملحوظ رکھنی چاہئیں۔ (ص ٦٥٣)	مندرجہ ذیل باتیں ملحوظ رکھنی چاہئے۔ (لہٰذا)
٤٤٠)	سُو کر --- (ص ٦٥٣)	سو کر ---
٤٤١)	یا یہ سنمل اور دواؤں کے۔ (ص ٦٥٣)	یا یہ سنمل اور دواؤں کے ہو۔
٤٤٢)	(اگر حکیم صاحب تجویز فرمائیں) تو	(اگر حکیم صاحب تجویز فرمائیں تو)
٤٤٣)	محمد اقبال	محمد اقبال لاہور
	لاہور۔ ٢٥ ر اکتوبر ٣٤ء (ص ٦٥٦)	٢٥ اکتوبر ٣٤ء
٤٤٤)	تیار کر دیا جائے گا (ص ٦٥٨)	تیار کرایا جائے گا
٤٤٥)	امید ہے کہ آپ کے ملاحظہ سے گزرا ہو گا (ص ٦٥٨)	امید کہ آپ کے ملاحظہ سے گزرا ہو گا
٤٤٦)	دوا کا پیکٹ مل گیا ہے جس کے لئے شکریہ ہے (ص ٦٥٨)	دوا کا پیکٹ مل گیا ہے جس کے لئے شکریہ
٤٤٧)	مجھے ان کا کوئی خط نہیں ملا۔ (ص ٦٦٠)	مجھے ان کا کوئی خط بھی نہیں ملا۔
٤٤٨)	ڈیر نیازی صاحب (ص ٦٦٠)	ڈیر نیازی صاحب' السلام علیکم
٤٤٩)	الحمد للہ اب آپ کی والدہ اچھی ہیں (ص ٦٦٠)	الحمد للہ کہ اب آپ کی والدہ اچھی ہیں۔
٤٥٠)	دہلی میں کسی وکیل کی معرفت --- (ص ٦٧٣)	دہلی کے کسی وکیل کی معرفت ---
٤٥١)	حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں تمام حالات عرض کر دیجئے اور میرے خطوط ان کو دکھا دیجئے۔ (ص ٦٧٥)	حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں تمام حالات عرض کر دیجئے اور میرے خطوط ان کو سنا دیجئے۔
٤٥٢)	حکیم صاحب کی اپیل ضروری ہے۔ (ص ٦٧٥)	حکیم (صاحب) کی اپیل ضروری ہے۔
٤٥٣)	حساب دکھا کر ان کو قائل کرنا ضروری ہے (ص ٦٧٥)	حسابات دکھا کر ان کو قائل کرنا ضروری ہے۔
٤٥٤)	ان تک بات پہنچا دوں گا (ص ٦٧٨)	ان تک یہ بات پہنچا دوں گا۔
٤٥٥)	والسلام (ص ٦٧٨)	×
٤٥٦)	وہ مجھ سے وعدہ کر گئے تھے (ص ٦٧٨)	وہ مجھ سے وعدہ کر کے گئے تھے۔
٤٥٧)	خون کا بند ہو جانا اور ---- میں نکسیر پھوٹنا (ص ٦٧٨)	خون کا بند ہو جانا اور بعد میں نکسیر پھوٹنا۔

؎ یہ نقطے مرتب نے لفظ نہ پڑھے جانے کے باعث لگائے ہیں۔

۴۵۸)	یہ ملیریا ہے کہ یہ بخار سردی کے ساتھ ہوتا ہے (ص ۶۷۹)	یہ ملیریا ہے کیونکہ بخار سردی کے ساتھ ہوتا ہے۔
۴۵۹)	کھانسی بھی تھی مگر اب اس کو (کا) آرام ہے (ص ۶۷۹)	کھانسی بھی تھی مگر اب اس کا آرام ہے۔
۴۶۰)	بیٹھتے وقت --- (ص ۶۷۹)	بیٹھنے کے وقت ---
۴۶۱)	روح الذہب بھی منجملہ ادویہ دیگر کے تجویز کریں (ص ۶۷۹)	روح الذہب بھی منجملہ ادویہ دیگر کے وہ تجویز کریں
۴۶۲)	حکیم صاحب کو یہ خط سنا دیجئے (ص ۶۷۹)	حکیم صاحب کو یہ خط سنا دیں۔
۴۶۳)	ادویہ تجویز کروا کر ارسال کرائیے (ص ۶۷۹)	ادویہ تجویز کروا کر ارسال کرایئے۔
۴۶۴)	امید کہ آپ نے حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ سنا دئے ہوں گے (ص ۶۸۳)	امید کہ آپ نے حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ خطوط سنا دیئے ہوں گے
۴۶۵)	اب ایک آدھ مہینے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ --- (ص ۶۸۳)	اب ایک آدھ مہینے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ---
۴۶۶)	عمران کی تقریباً چالیس سال۔ (ص ۶۸۳)	عمر ان کی قریباً چالیس سال
۴۶۷)	تازہ تر نقلیں بھی (ص ۶۸۵)	تازہ ترین نقلیں بھی۔
۴۶۸)	کل لاہور واپس آجائیں گے (ص ۶۸۹)	کل لاہور واپس آئیں گے۔
۴۶۹)	کمپنی کا کاروبار جنوری سے شروع ہوگا۔ (ص ۶۸۹)	کمپنی کا کاروبار جنوری 35ء سے شروع ہوگا
۴۷۰)	میں نے بھی آپ کو کارڈ لکھ دیا ہے۔ (ص ۶۸۹)	میں نے بھی آپ کو یہ کارڈ لکھ دیا ہے۔
۴۷۱)	محمد اقبال لاہور (ص ۶۹۰)	والسلام۔ محمد اقبال لاہور
۴۷۲)	ادارت کریں تو پھر سلسلہ جنبانی کروں (ص ۶۹۴)	ادارت کریں تو میں پھر سلسلہ جنبانی کروں
۴۷۳)	فقط (ص ۶۹۴)	والسلام
۴۷۴)	فقط (ص ۶۹۴)	والسلام
۴۷۵)	حاکمیت اسلامیہ کا حق ہے کہ وہ --- (ص ۶۹۴)	حاکمیت اسلامیہ کو حق ہے کہ وہ ---
۴۷۶)	غرضیکہ اس معاملہ میں مفصل بحث اور ریسرچ کی ابھی ضرورت ہے (ص ۶۹۵)	غرضکہ اس معاملہ میں مفصل بحث اور ریسرچ کی ابھی ضرورت ہے
۴۷۷)	اب یورپ اور اسلام کی جنگ تلواروں کی نہیں بلکہ معاشرت کے نظاموں کی ہوگی (ص ۶۹۵)	اب یورپ اور اسلام (کی) جنگ تلواروں کی نہیں بلکہ معاشرت کے نظاموں کی ہوگی۔
۴۷۸)	کلکتہ میل میں تھرڈ کمپارٹمنٹ نہیں ہے (ص ۷۰۱)	کلکتہ میل میں تھرو کمپارٹمنٹ نہیں ہے۔
۴۷۹)	شاید دوران خون کی وجہ سے ہے کیا (ص ۷۰۳)	شاید دوران خون کی وجہ سے ہے یا کیا
۴۸۰)	وہ کوئی ایسا تیل تجویز کر دیں جو روز بروز منگوانا نہ پڑے (ص ۷۰۳)	وہ کوئی ایسا (تیل) تجویز کر دیں جو روز روز منگوانا نہ پڑے۔

۴۸۱) کہ از اندیشہ برتری پرد آہ سحر گاہے (ص ۷۰۴)	کہ از اندیشہ برتری پرد آہ سحر گاہے۔
۴۸۲) اے کہکشاں بگذر زنیلی آسماں بگذر (ص ۷۰۴)	زجوئے کہکشاں بگذر زنیل آسماں بگذر[1]
۴۸۳) خوشا کسے کہ حرم را درون سینہ شناخت (ص ۷۰۵)	خوشا کسے کہ حرم را درون سینہ شناخت۔
۴۸۴) شوق اگر زندۂ جاوید نباشد عجب است (ص ۷۰۵)	شوق اگر زندۂ جاوید نباشد عجب است

کلیات مکاتیب اقبال جلد سوم کے تعلیقات و حواشی کے صفحات سے قطع نظر

باقی صفحات کی تعداد 706 بنتی ہے۔ ان سات سو چھ صفحات میں سے اگر 48 صفحات مقدمے کے اور ایک سو اسی صفحات عکسی نقول کے منہا کر دیے جائیں تو خالص متنی صفحات کی تعداد 478 بنتی ہے۔ غلط یا ناقص متن کے جو اندراجات میں نے درج کئے ہیں ان کی تعداد 484 ہے اور بعض اوقات ایک ایک اندراج میں دو دو تین تین غلطیاں بھی ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اغلاط متن کی تعداد تقریباً سوا پانچ سو تک یا شاید اس سے بھی کچھ زیادہ تک جا پہنچتی ہے۔ متنی صفحات اور غلطیوں کی مذکورہ تعداد کا تناسب نکالا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ کم و بیش ہر صفحے میں متن کی ایک دو اغلاط ہیں یوں متنی حوالے سے یہ کتاب خاصی مایوس کن ہے مگر ہمارے نقاد اور مکتوب نگار ہیں کہ مرتب موصوف کی اس کتاب کو ان کا ایک لاثانی کارنامہ قرار دے رہے ہیں۔ _____ جب ہم غلیظ نگاروں کی صف میں شمس الرحمٰن فاروقی، ڈاکٹر عتیق الدین احمد اور ڈاکٹر خلیق انجم _____ جیسے اہم لکھنے والوں کو داد و توصیف کے ڈونگرے برساتے دیکھتے ہیں تو سخت حیرت ہوتی ہے کیونکہ ان میں سو خرالذکر دو حضرات خصوصاً تدوین متن کے حوالے سے خاصے ٹیک نام ہیں اور تدوین متن کے منہاج اور مشکلات سے بخوبی واقف ہیں۔ ایسے حضرات کی جانب سے خطوط اقبال کے اس متن کو درست ترین اور سائنٹیفک بنیادوں پر مرتب متن قرار دینا سوائے سہل انگاری یا غلط بخشی کے اور کیا ہے۔

کلیات مکاتیب اقبال میں ان متنی اغلاط کے علاوہ بعض اور نمایاں کمیاں اور کوتاہیاں بھی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک خط ایسا بھی اس مجموعے میں شامل کیا گیا ہے جسکا مکتوب الیہ راغب احسن کو لکھا گیا ہے جبکہ یہ خط کسی مولانا کے نام ہے جسے اقبال نے ڈیر مولانا لکھا ہے اور جس کے آغاز ہی میں راغب احسن کا ذکر کرتے ہوئے ان مولانا کو لکھا ہے کہ "راغب احسن کی مجھے خود فکر ہے"۔ ظاہر بات ہے کہ متن خود شہادت دے رہا ہے کہ یہ خط راغب احسن کے نام نہیں۔ علاوہ ازیں اس خط کی تاریخ 12 فروری 1930ء نہیں 12 فروری 1935ء ہے۔ "اقبال۔ جہان دیگر" کے صفحہ 32 پر 35، عکسی نقل میں صاف پڑھا جاتا ہے۔ اس طرح کی سہل انگاری سے اگر اجتناب کیا جاتا تو بعض سامنے کی غلطیوں سے باآسانی بچا جا سکتا تھا مثلاً نذیر نیازی کے نام ایک خط میں ان سے شکوہ کیا گیا ہے کہ انہوں نے "محبوب آواز کشا ارسال نہیں کی"۔ صاف بات ہے کہ محبوب (جمع حب) کے ساتھ جمع کا صیغہ "کیں" آنا چاہئے تھا۔ اسی طرح 19 نومبر 34 کے خط میں نقل حرفی میں مرتب کا یہ لکھنا کہ " میرے خطوط حکیم صاحب کو دکھا دیجئے"[2] بے معنی بات ہے۔ ظاہر بات ہے کہ حکیم نابینا خطوط سن ہی سکتے تھے دیکھ نہیں سکتے تھے جبکہ انہی نیازی صاحب کے نام بعد کے خطوط میں حکیم صاحب کو (ص 679 اور ص 682) خطوط کے سنا دینے ہی کی بات

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ مرتب موصوف شعور وزن سے عاری ہیں۔

[2] کلیات اقبال فارسی (ص ۴۹۳)

ہو رہی ہے۔ مرتب یا ان کا کوئی معاون معمولی سے استقراء سے کام لے کر اس تضاد کو دور کر سکتا تھا۔

"کلیات مکاتیب" میں شامل ایک اور خط کا سنہ غلط ہے۔ یہ خط عبداللہ چغتائی کے نام ہے اور اس کی تاریخ ۵ جون ۱۹۳۰ء درج کی گئی ہے۔ اقبالنامہ (جلد دوم ۳۵۰) میں بھی یہی سنہ درج کیا گیا ہے۔ راقم کے پاس اس خط کا عکس موجود ہے اور اس کی پشت پر ڈاکخانے کی مہر میں ۱۹۳۷ء صاف پڑھا جاتا ہے۔ اس خط کا عکس شامل مضمون کیا جا رہا ہے۔

زیر نظر کلیات مکاتیب میں ایک کمی یہ بھی ہے کہ بعض اشعار کے تراجم درست نہیں۔ مثلاً عرفی کے اس شعر:

گرفتم ایں کہ بہشتم دہند بے طاعت
قبول کردن و رفتن نہ شرط انصاف است

کا یہ ترجمہ دیا گیا ہے:

"یہ میں نے مانا کہ بغیر عبادت کے بھی وہ جنت دے سکتے ہیں مگر اسے قبول کرنا اور وہاں جانا شرط انصاف ہے"

شاعر کا مفہوم اس کے برعکس یہ ہے کہ ایسی جنت کو جو بغیر عبادت کے میسر آئے قبول کرنا شرط انصاف کے خلاف ہے۔

کتاب کے صفحہ ۷۰۴ پر ایک مصرع "اے کہکشاں بگذر ز نیلی آسماں بگذر" درج کیا گیا ہے۔ اقبال کا یہ مصرع اصلاً یوں ہے:

ز جوئے کہکشاں بگذر ز نیل آسماں بگذر

چونکہ مرتب نے مصرع ہی کو غلط درج کیا ہے چنانچہ اس غلط مصرعے کے مطابق اس کا مفہوم بھی غلط لکھا ہے یعنی "اے کہکشاں اس نیلی فام آسمان سے بھی گزر جا جبکہ اقبال مرد بلند ہمت سے خطاب کر کے اسے کہکشاؤں اور آسمان کی نیلی وسعتوں سے بھی آگے نکل جانے کا درس دے رہے ہیں۔

کلیات مکاتیب کے ۷۰۵ پر ایک اور مصرع اقبال غلط لکھا گیا ہے یعنی "شرق اگر زندہ جاوید نباشد عجب است" اور ترجمہ اسی کے مطابق یوں کیا گیا ہے: "مشرق اگر زندہ جاوید نہ ہو تو عجب ہے" صحیح مصرع ہے "شوق اگر زندہ جاوید نباشد عجب است۔ ترجمہ بھی اسی صحیح مصرع کے مطابق ہونا چاہیے تھا۔

صفحہ ۷۰۶ پر اقبال کے مشہور شعری مجموعے "زبور عجم" کا یہ شعر درج ہے:

من اے دریائے بے پایاں بموج تو در افتادم
نہ گوہر آرزو دارم نہ می جویم کرانے را!

مرتب نے ترجمہ یہ دیا ہے: "اے دریائے بے کراں! تیرے تھپیڑوں میں پھنس گیا ہوں ـــــ"

ذرا تصور فرمایئے کہ ایک مرد مبارزت کیش جس کے رجز سے نہنگوں کے نشیمن تہ و بالا ہوتے ہوں کیا وہ اپنے کو اتنا بے بس ظاہر کرے گا۔ ہرگز نہیں۔ پھر فارسی محاورے میں "در افتادن" کا مطلب ہے کسی سے جنگ و جدال کرنا' جیسا کہ حافظ کے اس مشہور مصرعے سے ظاہر ہے: بادرد کشاں ہر کہ درافتاد بر افتاد۔ گویا اقبال دراصل یہ کہہ رہے ہیں کہ اے بحر ناپیدا کنار میرا حوصلہ دیکھ کہ تیری موجوں سے برسرپیکار ہوں ـــ

"کلیات مکاتیب اقبال جلد سوم" کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ اس میں عباس علی خاں لمعہ کے نام خطوط بھی شامل ہیں جن کے بارے میں متحقق ہو چکا ہے کہ ان میں سوائے چند خطوط کے باقی سب جعلی ہیں یا ان میں بڑے دھڑلے مگر نہایت

بھونڈے پن سے تصرفات کئے گئے ہیں۔ کیا کوئی شخص تصور کر سکتا ہے کہ علامہ اقبال لمعہ کے نہایت فضول اور بے تکے اشعار کی داد میں رطب اللسان رہے ہوں گے جبکہ اس طرح کے تک بند شعراء کے باب میں علامہ کا عام رویہ ہمیشہ حوصلہ شکنی کا رہا۔ ان خطوط کے مجہول (یا محرف) ہونے کے بارے میں سب سے پہلے تاثیر نے توجہ دلائی تھی اور اپنے مضمون "اسماء الرجال اقبال" میں لکھا تھا:

> "مجھے سب سے زیادہ تعجب ان خطوں پر ہے جو ایک حیدر آبادی لمعہ صاحب کے نام سے خطوط اقبال کے مجموعے میں شائع ہوئے ہیں۔ مولف نے اصل خطوط نہیں دیکھے حیدر آبادی صاحب نے خود ہی نقل کر کے بھیج دئے اور اسی طرح شائع کر دئے گئے۔ میری رائے میں یہ خطوط بیشتر وضعی ہیں۔ عبارت پکار پکار کر کہہ رہی ہے مثلاً "استفادہ حاصل کرنا" یہ اقبال کا لفظ نہیں۔ مولف شیخ عطاء اللہ نے تفحص سے کام نہیں لیا"۔ لہ

بعد ازاں اس جعل سازی کا شد و مد کے ساتھ سید عبدالواحد معینی نے پول کھولا۔ گو ان سے پہلے نظر حیدر آبادی اپنی کتاب "اقبال اور حیدر آباد" میں ان خطوط کے باب میں نرم لہجے میں اپنے شکوک کا اظہار کر چکے تھے (ص ۲۳۱) اور اس کے بعد تو وقتاً فوقتاً ان خطوط کے حوالے سے شکوک و شبہات کا اظہار ہوتا رہا ہے۔ اس ضمن میں خصوصیت کے ساتھ ماسٹر اختر کی قابل قدر کتاب "اقبال کے کرم فرما" لائق توجہ ہے جس میں مصنف نے بڑی جرح و تعدیل کے ساتھ لمعہ کی جعل سازی کو طشت از بام کیا ہے۔ افسوس کہ لمعہ کے نام ان تمام نیلو ۲۹ خطوط اقبال میں سے انیس خط "کلیات مکاتیب" کی اس تیسری جلد میں شامل کئے گئے ہیں۔ باقی دس خط یقیناً" کلیات مکاتیب کی چوتھی جلد میں شامل ہوں گے۔

کلیات مکاتیب اقبال جلد سوم میں شامل ان ۱۹ مکاتیب کا تھوڑی سی توجہ ہی سے مطالعہ کیا جائے تو ان میں سے اکثر کا وضعی ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ میرے نزدیک ان خطوط میں جو واقعی کلیتہً اقبال کے خط ہیں ان کی تعداد صرف چار بنتی ہے یعنی

(۱) مکتوب ۷ مئی ۱۹۲۹ء (۲) مکتوب ۲۰ مئی ۱۹۳۰ء

(۳) مکتوب ۱۳ جون ۱۹۳۲ء (۴) مکتوب ۸ دسمبر ۱۹۳۲ء

چار خط جزواً" صحیح ہیں یعنی ان میں بعض اضافے کئے گئے ہیں:

(۱) مکتوب ۷ ستمبر ۱۹۳۱ء (۲) ۲۴ فروری ۱۹۳۲ء

(۳) ۳۰ جون ۱۹۳۳ء (۴) ۶ جولائی ۱۹۳۳ء

مکتوب نمبر ۱ محررہ ۷ ستمبر ۳۱ء میں یہ جملہ "نظم کے لئے بھی جو آپ نے از راہ لطف و کرم بھیجی ہے اور جو میں نے بے حد پسند کی ہے شکریہ قبول کیجئے" مکتوب الیہ کی جانب سے اضافہ ہے۔

مکتوب نمبر ۲ محررہ ۲۴ فروری ۱۹۳۲ء بیشتر جعلی ہے کیونکہ اس میں علامہ کی جانب سے لمعہ کے معنوی میلان کی تعریف کی گئی ہے حالانکہ ان کی شاعری محض' بے لطف اور بیشتر بے معنی تک بندی ہے۔ اس خط میں جو جملے اقبال کے ہو سکتے ہیں وہ وہ ہیں جن میں ان صاحب کو شعر و سخن میں کم وقت صرف کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ یا ان کے امریکن دوست کی کتاب "عالمگیر انسانی برادری" کی تعریف کی گئی ہے۔

لہ اقبال کا فکر و فن (مرتبہ افضل حق قرشی) بار دوم (ص ۵۱-۵۴)

مکتوب نمبر ۳ ۲۰ جون ۳۳ء بیشتر صحیح ہے اور لمعہ ہی کے نام ہے۔ اس میں تحریف یہ کی گئی ہے کہ لفظ "نہ" کو ضرور بنایا گیا ہے۔ علامہ کا جملہ یہ تھا "میرا دوستانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ شعر و سخن میں اپنا وقت عزیز صرف نہ کریں" لمعہ نے "نہ" کو "ضرور" میں بدل دیا۔ برنی صاحب نے اس خط کا جو عکس شامل کتاب کیا ہے وہ صاف چغلی کھا رہا ہے کہ لفظ "نہ" کو "ضرور" سے بدلا گیا ہے۔ اس کی تصدیق ۹ جولائی ۳۳ء کے مکتوب سے بھی ہوتی ہے جس میں محرف جملہ یوں ہے:

"سرِ حال میں نے آپ کو یہ مخلصانہ مشورہ دیا تھا کہ آپ شعر و شاعری کا مشغلہ ترک نہ کر دیں"

اردو کی معمولی استعداد رکھنے والا شخص بھی یہ سہولت اندازہ کر سکتا ہے کہ لمعہ نے اس جملے میں "نہ" کا اضافہ کیا ہے ورنہ جملے کی ساخت ایک لمحے کے لئے "نہ" کے اضافے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

باقی گیارہ خط سراسر جعلی ہیں۔ ان کے جملے اقبال کے معروف اسلوب سے لگا نہیں کھاتے۔ ان میں سے بعض کے جو عکس شامل کتاب ہیں وہ نہ تو اقبال کے دست نوشت ہیں نہ ان کے کسی معاون (م ش، نذیر نیازی وغیرہ) کے۔ پھر ان خطوط میں داخلی تضادات بہت ہیں۔ چونکہ ان تضادات کی جانب ماسٹر اختر نہایت خوبی سے اپنی کتاب "اقبال کے گرمفرما" میں یہ دلائل قاطع اظہار رائے کر چکے ہیں اس لئے ان کی تکرار تحصیل حاصل ہو گی۔

میرا سوال ہے کہ کیا اسی کو تدوین متن کا سائنٹفک منہاج کہتے ہیں۔ کاش برنی صاحب کو اس سوال پر غور و فکر کی فرصت مل جائے!

جہاں تک زیر نظر کتاب کے حواشی کا تعلق ہے یہ اکثر و بیشتر معلومات افزا اور مفید ہیں اور ان کی تحریر میں مؤلف اور ان کے معاونین نے محنت کی ہے مگر ان میں بعض اندراجات غلط ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

غلط	صحیح
۱) حکیم محمد احمد برکاتی (ص ۷۵۸)	حکیم محمود احمد برکاتی
۲) اتقان العرفان فی تحقیق الزمان (ص ۷۵۸)	اتقان العرفان فی ماہیۃ الزمان
۳) شعراء و شعرات (ص ۷۹۰)	شعراء و شعریات
۴) شاہنامہ اسلام ۳ جلد (ص ۸۰۰)	شاہنامہ اسلام چار جلدیں
۵) لیکن خاقانی اسے اس بات کی اجازت نہ دیتا تھا (ص ۸۰۷)	لیکن خاقان اسے اس بات کی اجازت نہ دیتا تھا
۶) JOSEF HAIL (ص ۸۱۰)	JOSEPH HELL
۷) مباحث و رسائل (ص ۸۵۴)	مسالک و منازل (غالباً)
۸) موجد (ص ۸۵۷)	موحد
۹) وہاب بے عزام (ص ۸۹۳)	عبدالوہاب عزام
۱۰) منانڈوی (ص ۹۰۶)	مانڈوی
۱۱) ابن خرم (ص ۹۶۰)	ابن حزم
۱۲) آیات بینات (ص ۹۹۹)	آیات جنات

۱۴) بہارستان (ص ۹۹۸) قبادیان

۱۵) سمورد کریس (ص ۱۰۰۴) سنیفور د کریس

ان اغلاط کے علاوہ ان حواشی میں ایک دو مقامات پر فاش غلطیاں ہیں۔ ہمایوں کے مدیر اور ظفر علی خاں کے برادر حامد علی خاں کی ولادت کا سنہ درج کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا سن وفات ۱۹۸۰ء درج کیا گیا ہے اور لکھا گیا ہے کہ ملتان میں ان کا انتقال ہوا۔ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ تادم تحریر جناب حامد علی خاں بحمداللہ زندہ ہیں۔ ملتان میں رہتے ہیں۔ خدا انہیں تادیر صحت کے ساتھ سلامت رکھے۔

ایک جگہ (ص ۲۵۹) ایک خط کے پاورق میں ہادی عزیز لکھنوی کے مجموعے کا نام "گلکندہ" لکھا گیا اور یہی نام اشاریے میں بھی بہ ذیل کتب درج ہے۔ صحیح نام "گل کدہ" ہے۔

صفحہ ۸۳۵ پر رند لکھنوی کے ذکر میں اس کی اپنی کہی ہوئی تاریخ ولادت درج کی گئی جس کا دوسرا شعر ساقط الوزن ہے۔

ص ۸۵۱ پر صلاح الدین سلجوقی کی متعدد کتب کا ذکر کیا گیا ہے۔ نہیں کیا گیا تو ان کی اس تصنیف کا ذکر نہیں کیا گیا جو بے حد معروف ہے اور "نقد بیدل" (۱۳۴۳) کے نام سے جانی جاتی ہے۔

ص ۸۴۸ پر لیو پولڈ اسد کے ذکر میں ان کے انگریزی ترجمہ قرآن "The Message of the Holy Quran" کا ذکر کیا گیا ہے اور لکھا گیا ہے کہ یہ ترجمہ غالباً ۱۹۸۷ء میں جبرالٹر سے شائع ہوا۔ صحیح صورت حال یہ ہے کہ اولاً اس انگریزی ترجمے کے صرف نو پارے رابطہ عالم اسلامی نے ۱۹۶۴ء میں شائع کیے تھے جس پر اس کے بعض موارد کے سلسلے میں بحث مباحثے کی گرما گرمی پیدا ہوئی۔ بعد ازاں یہ مکمل انگریزی ترجمے کی صورت میں دارالاندلس جبرالٹر سے ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا (نہ کہ ۱۹۸۷ء میں)۔

"کلیات مکاتیب اقبال" کی اس تیسری جلد میں "تعلیقات" بھی لکھی گئی ہیں۔ ان میں بھی بعض فاش غلطیاں ہیں۔ مثلاً ۱۰۵۲ پر ایک کتاب کا نام "مواقف" لکھا گیا ہے۔ جبکہ عضدالدین عبدالرحمٰن ایجی کی اس مشہور و معروف کتاب کا صحیح نام "مواقف" ہے۔ "مواقف" کے ضمن میں درج کی گئی معلومات کے ماخذ میں ایک ماخذ "فرہنگ معین" بھی درج کیا گیا ہے مگر اس کا حوالہ جزوی طور پر غلط ہے۔ "مواقف" کے باب میں معلومات فرہنگ معین کی جلد چہارم کے ص ۱۸۸۰ پر نہیں، جلد پنجم کے ص ۱۸۸۱ پر ہیں۔ یاد رہے کہ فرہنگ معین کی صرف آخری دو جلدیں یعنی پانچویں اور چھٹی اعلام سے بحث کرتی ہیں۔

تعلیقات ہی کے ضمن میں "سراسی" پر بھی تفصیلی نوٹ لکھا گیا ہے مگر اس میں چند در چند غلطیاں ہیں۔ کتاب کے مصنف کے نام کا لاحقہ "پرہباوری" نہیں "پرہاروی" ہے۔ مرتب کہتے ہیں کہ عبدالعزیز پرہاروی کی اب تک گیارہ تصانیف کا پتہ چلا ہے۔ جبکہ اصل صورت حال یہ ہے کہ یہ تعداد گیارہ نہیں ایک سو گیارہ ہے۔ "النبراس" کے بارے میں اصل حقیقت یہ ہے کہ میرٹھ سے چھپنے سے پہلے یہ کتاب اولاً مصر سے شائع ہوئی۔ جبکہ کتاب کی اشاعت کی اطلاع مذکورہ تفصیلی نوٹ میں دی گئی ہے۔ ان کے علاوہ بھی ان کی درج ذیل کتب اشاعت پذیر ہوئیں:

۱) رسالہ رحمانیہ: ۱۳۲۵ھ میں آگرے سے اور ۱۳۳۲ھ میں لاہور سے شائع ہوا۔
اس کا اردو ترجمہ "گلزار جمالیہ" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔
۲) الصمصام فی اصول تفسیر القرآن: یہ عربی تصنیف ملتان سے شائع ہوئی
۳) ایمان کامل فارسی (بطرز مثنوی شریف): لاہور اور ملتان سے شائع ہوئی

۴) الاکسیر (عربی) جلد ثالث : اردو [illegible] ہو کر ۱۳۰۸ھ میں نو لکشور سے شائع ہوئی
۵) زمرد اخضر اور مشک عنبر : ۱۳۲۵ھ میں لاہور سے شائع ہوئی
۶) مناظرہ الجلی فی علوم النجمی : ملتان سے شائع ہوئی
۷) مرام الکلام فی عقائد الاسلام : ملتان سے شائع ہوئی
۸) الناھیہ : ملتان اور کوٹ ادو سے طبع ہوئیں
۹) الاوفاق : ملتان سے طبع ہوئی
۱۰) نعم الوجیز : ملتان سے شائع ہوئی
۱۱) کنز العلوم : آگرے سے شائع ہوئی

مرحوم عبدالعزیز پرہاروی کی تصانیف و احوال کی تفصیل کے لئے جعفر بلوچ کی تالیف "آیات ادب" اور متین کاشمیری کی "احوال و آثار حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی" ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ موخر الذکر کا حوالہ زیر تبصرہ کتاب کے (ص ۱۰۶۱) پر درج ہے۔

کلیات مکاتیب اقبال (۳) میں ایک ضمیمہ بھی شامل ہے۔ اس کے (ص ۱۰۵۹) پر شجاع ناموس کو شجاع ناوس لکھا گیا ہے۔ جو ظاہر ہے درست نہیں۔

کتابیات میں بھی متعدد غلطیاں ہیں اور یہ زیادہ تر کتابت کی غلطیاں ہیں اس لئے ان سے صرف نظر کیا جاتا ہے البتہ ایک غلطی کی نوعیت مختلف ہے (ص ۱۰۳۳) پر جلیل قدوائی کی خودنوشت سوانح "حیات مستعار" کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ اس کی دوسری جلد بھی ۱۹۸۷ء میں مکتبہ اسلوب سے شائع ہوئی۔ صحیح یہ ہے کہ دوسری جلد کتابی صورت میں الگ سے شائع نہیں ہوئی بلکہ رسالہ "نقاب" کراچی میں چھپی تھی۔

زیر تبصرہ کتاب کے آخر میں ایک جامع اشاریہ دیا گیا ہے۔ اس اشاریے کا ایک حصہ "کتابیں اور رسائل" کے زیر عنوان درج کیا گیا ہے۔ اس میں بعض اندراجات میں فاش غلطیاں ہیں۔ ذیل میں ان کی نشاندہی کی جاتی ہے:

غلط	صحیح
اشرف الانبیاء	اتحاف ا[illegible]
احوال و آثار	[illegible] کی کتاب [illegible]
اصلاحات صوفیہ	اصطلاحات صوفیہ
ا[illegible]س آف بونڈ	ر[illegible] آف [illegible]
بحر الحقائق	بحر الحقائق
پرانے چراغ مع جملہ چینے کے چراغ	پرانے چراغ مع جملہ چینے کے داغ
حاتم سلیمانی*	خاتم سلیمانی
حاشیہ شرح المواقق	حاشیہ شرح المواقف
"حکمائے اسلام کے عمیق تر مطالعے کی دعوت"	یہ علامہ کے ایک انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے۔

* اسے کتابت کی غلطی اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ خ کے بجائے "ح" کی پٹی میں درج کی گئی ہے۔

.	کتاب نہیں۔
خاکستر پرواز	خاکستر پروانہ
دوابین	دواوین
ذخیرہ شمس الحسن	یہ کسی کتاب کا نام نہیں
سبحۃ الرجان	سبحۃ المرجان
شرح الا نصام ---	شرح الاعتصام ---
شعراء شعرات	شعراء و شعریات
شوقی و صداء اربعین	شوقی و صداء اربعین سنہ
کتاب ا انواس	کتاب الواسین
کاشف الحائق	کاشف الحقائق
گنجینہ آزر	یہ ایسی کتاب نہیں
مباحث شرقیہ	مباحث مشرقیہ
مطلع العلوم	سلم العلوم
مواقف	مواقف
مکاتیب اقبال کے ماخذ ۔ ایک تحقیقی جائزہ	یہ مضمون ہے کتاب نہیں۔
.	یہ مضمون اقبال ریویو لاہور کے جولائی ۱۹۸۴ء کے شمارے میں شائع ہوا۔
یورپ میں دکنی مخطوطات	یورپ میں دکھنی مخطوطات

اشاریے میں بعض اوقات ایک ہی کتاب کو مختصر اور مفصل صورت میں دو الگ الگ کتابوں کی صورت میں کئی مقامات پر شائع کیا گیا ہے مثلاً "فتوحات" اور "فتوحات مکیہ" ایک ہی کتاب ہے اس لئے اس کے دو اندراجات بے معنی اور گمراہ کن ہیں۔ "سبحۃ المرجان" اور "سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان" ایک ہی کتاب ہے، "نزہۃ الخواطر" اور "نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع و النواظر" ایک ہی کتاب ہے۔

مکرر جائزہ لینے پر پتہ چلا کہ لارڈ لوتھین کے نام ۱۷ مارچ ۱۹۳۳ء کے خط میں بھی متعدد غلطیاں ہیں ذیل میں ان کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

غلط/ ناقص متن	صحیح/ مکمل متن
۱) تھوڑا بہت ردوبدل کروں گا (ص ۳۲۹)	تھوڑا بہت ردوبدل کرنا پسند کروں گا۔
۲) بعض فرانسیسی فلاسفروں نے ---	اس فرانسیسی فلسفی نے ---
۳) SPACE & The	"SPAIN & The

لے اس کتاب کے ساتھ ساتھ دو اندراج ہیں حالانکہ یہ ایک ہی کتاب ہے۔

Intellectual World of Islam" Intellectual World of Islam

کلیات مکاتیب اقبال جلد سوم کا یہ زیر نظر جائزہ بہت طویل ہو گیا مگر امید ہے کہ قارئین اسے مفید پائیں گے اور راقم سے اس باب میں جو غلطیاں سرزد ہوئی ہوں گی ان کی نشاندہی میں تامل نہیں کریں گے۔ نئی صاحب بھی اس جائزے سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

اور آخر میں ایک بات اور۔ قارئین میں سے بعض کے لئے شاید یہ بات معلومات میں اضافے کا موجب ہو گی کہ "کلیات مکاتیب اقبال" کی پہلی دو جلدیں لاہور کے ایک ادارے ترتیب پبلشرز نے بھی شائع کر دی ہیں۔ ان دونو جلدوں میں وہ تمام صدہا صد غلطیاں موجود ہیں جو ہندوستانی ایڈیشنوں میں ہیں اور جن میں سے بعض تو نہایت فاش اور فتنہ انگیز گمراہ کن ہیں۔ ناشر نے مزید ستم یہ کیا کہ ان دونو جلدوں میں شامل عکسی نقول اور حواشی و تعلیقات بھی خارج کر دیے۔ خدا کرے کہ تیسری جلد اگر پاکستان میں شائع ہو تو غلطیوں سے پاک ہو کر اور عکسی نقول سے مزین ہو کر۔

جاری ←

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

نوٹ: علامہ اقبال کے چند خطوط کی عکسی نقول جن کے حوالے اس مضمون میں دیے گئے ہیں۔

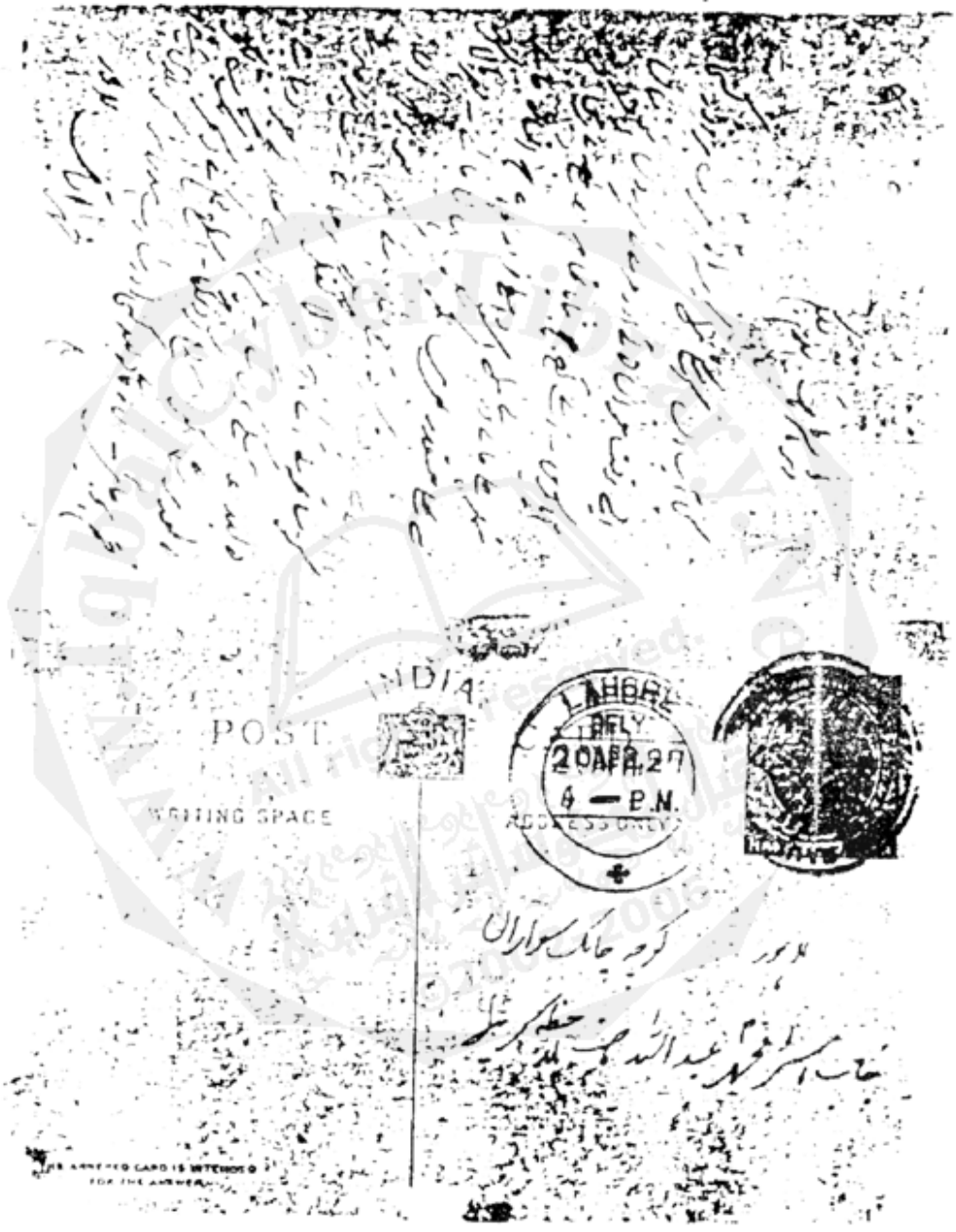

علامہ اقبال کا خط بنام عبداللہ چغتائی تاریخ ۲۰-اپریل ۱۹۲۷ء

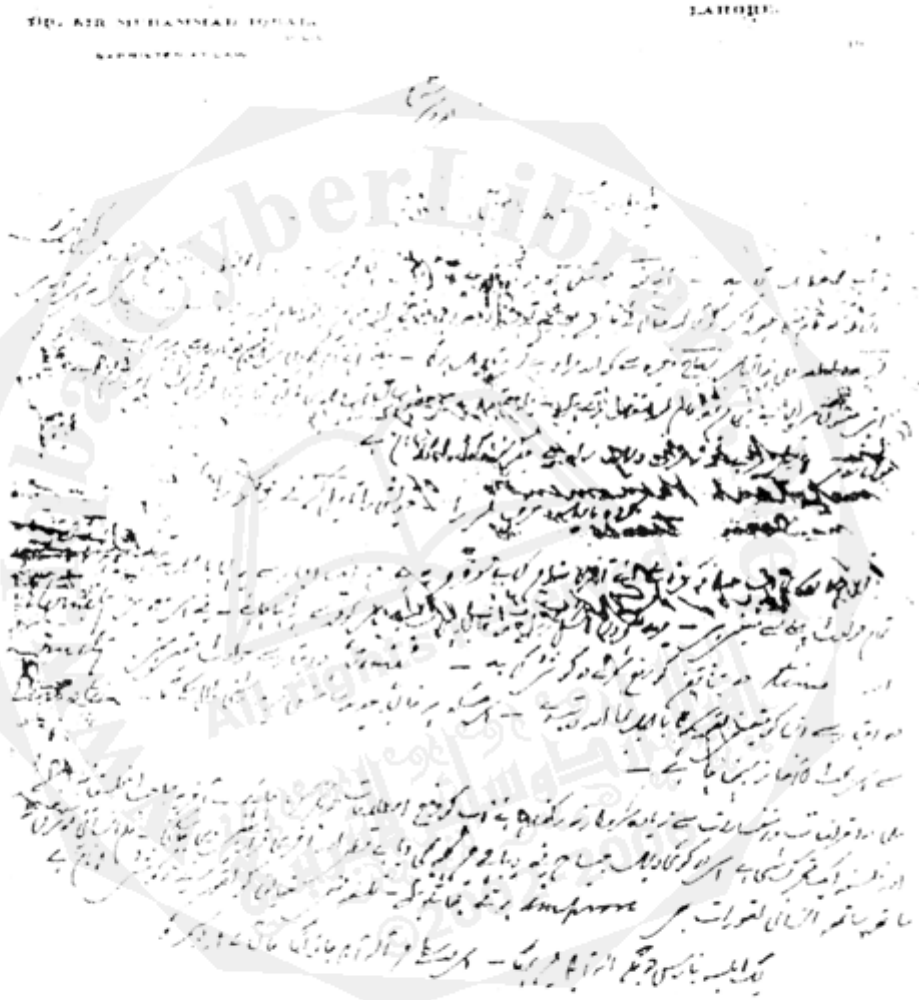

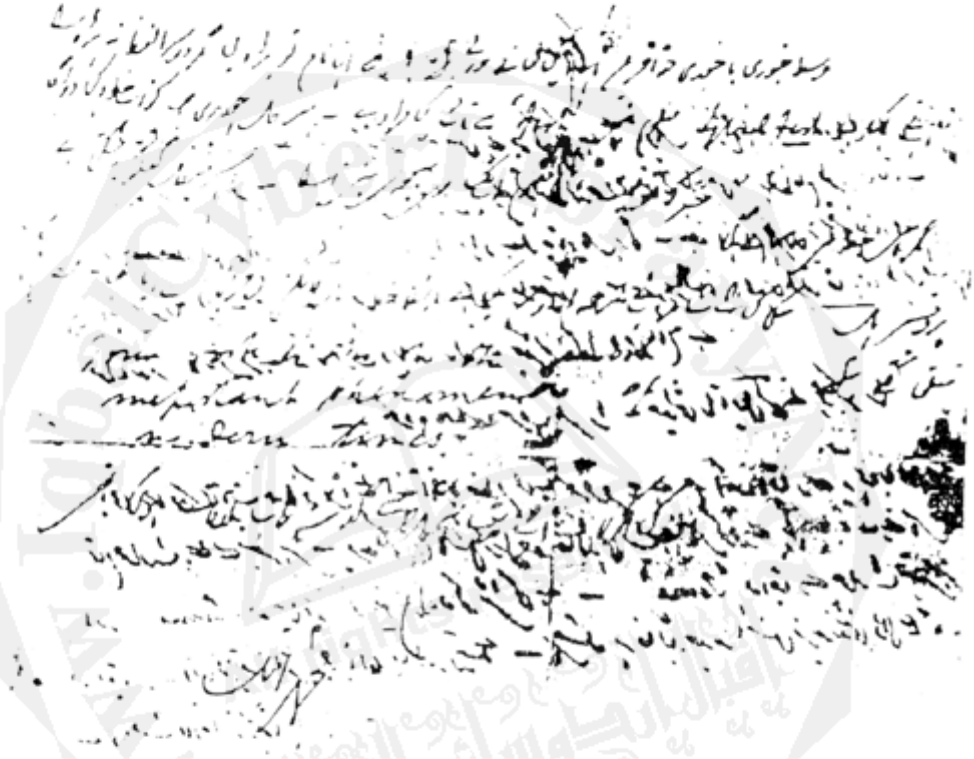

مکتوب بنام سید نذیر نیازی مورخہ ۱۱ دسمبر ۱۹۳۰ء

DR. SIR MUHAMMAD IQBAL.

BARRISTER-AT-LAW.

LAHORE.

193

علامہ اقبال کا خط بنام سید نذیر نیازی مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۳۱ء

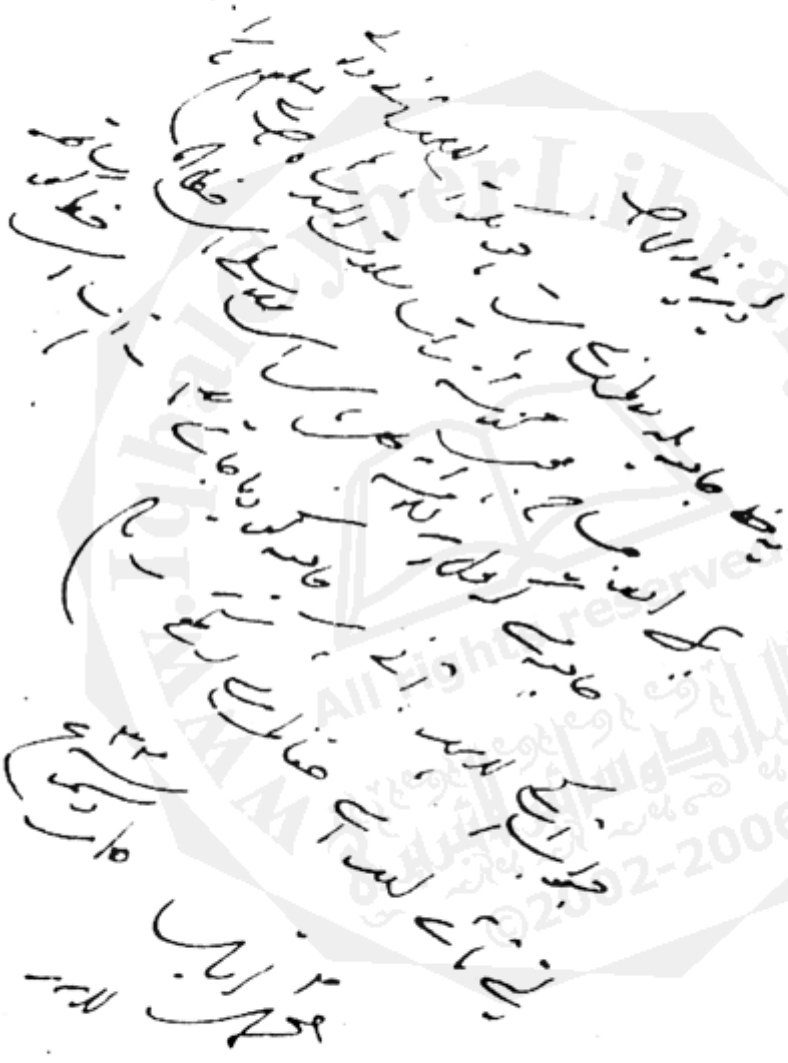

علامہ اقبال کا خط بنام نیازی صاحب مورخہ ۱۵، دسمبر ۱۹۳۳ء

Dr. Sir Mohd. Iqbal, Kt.
M.A. Ph.D.
Barrister-at-Law,
Lahore.

17th Dec. 1933

My dear Mr. Ikram,

Thanks for your letter. I have accepted [illegible] invitation. The subject on which I hope [illegible] 'Space & Time in Muslim Thought'. The [illegible] subject involves a good deal of [illegible] which are yet unknown — at least some of them. Nor has yet anybody written on it. I am, therefore, doubtful whether I shall be able to write three lectures in the three or four months which are at my disposal. I have therefore written to Lord Lothian asking him whether the Rhodes Trustees will permit me to deliver these lectures in the summer of ~~1934~~ 1935 instead of 1934.

Please write to me in Feb. or the end of Jan. 1934. By that time I shall be able to give you more exact information. I have no inclination to deliver any public lectures in Oxford except those I have already undertaken. But I shall be glad to have informal talks on Islamic subjects.

Yours sincerely
Muhammad Iqbal

مکتوب علامہ اقبال بنام شیخ محمد اکرام ۱۷، دسمبر ۱۹۳۳ء

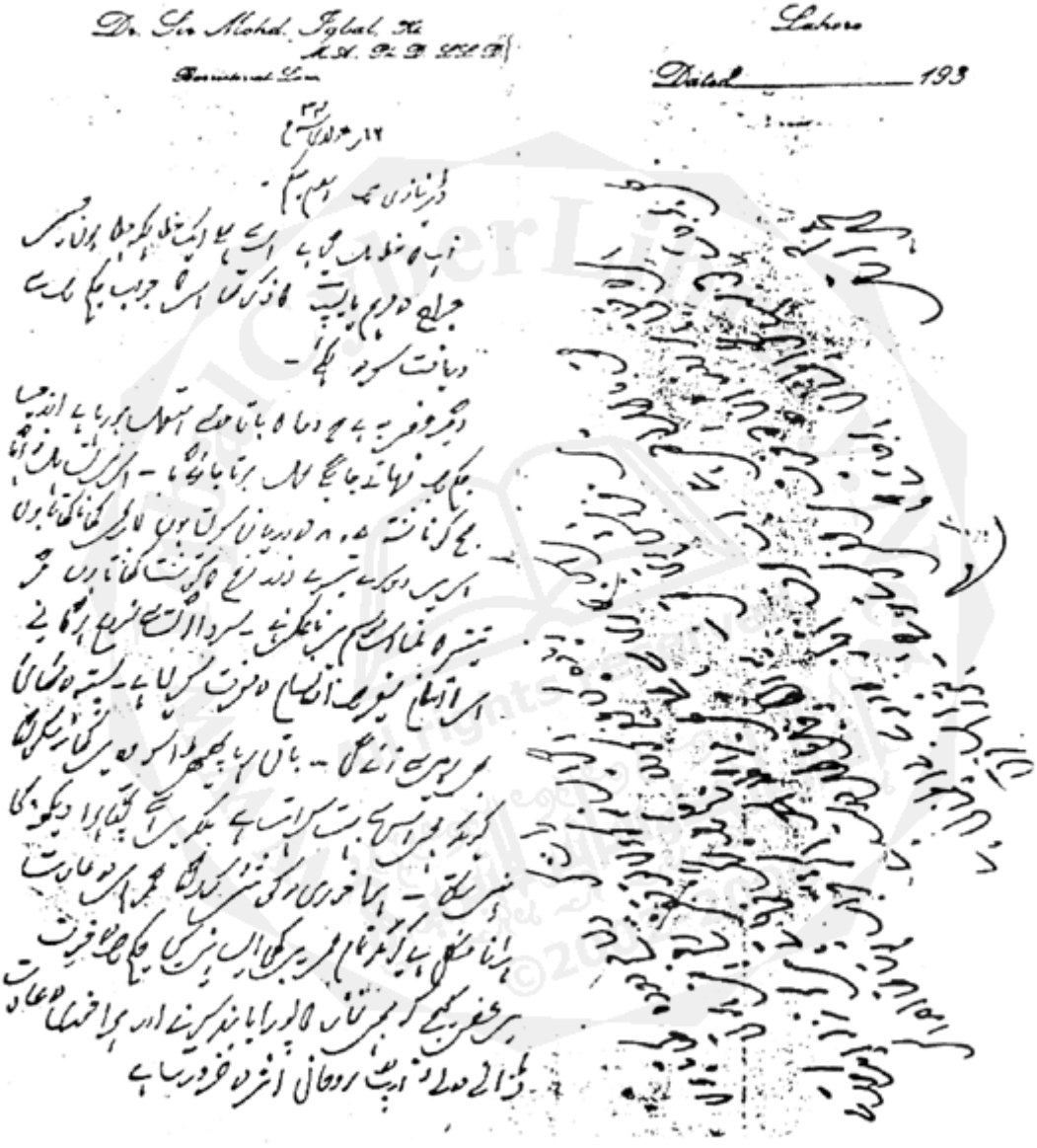

علامہ اقبال کا خط بنام سید نذیر نیازی مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۲۴ء

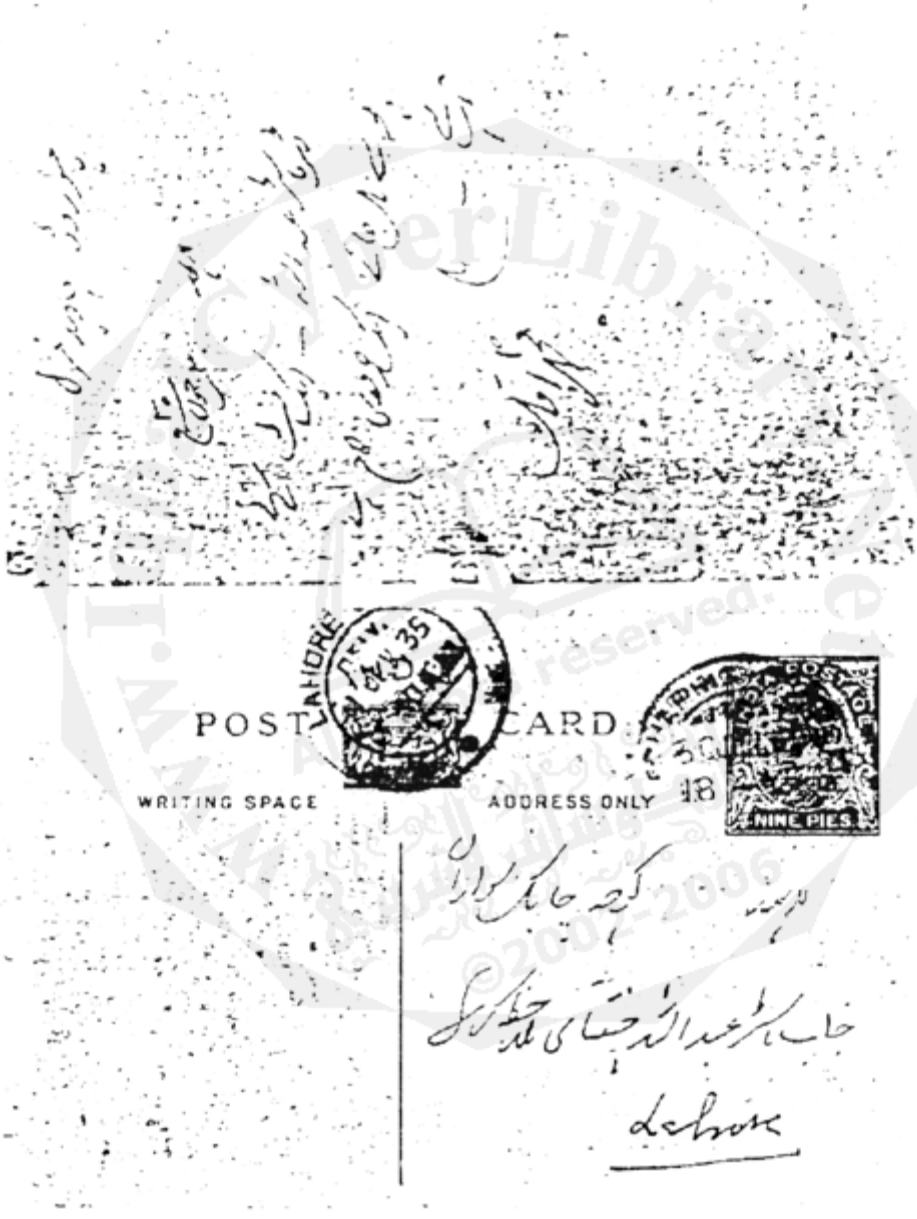

علامہ اقبال کا خط بنام عبداللہ چغتائی مورخہ ۳۰ جون ۱۹۳۷ء

(بشکریہ سیارہ لاہور)

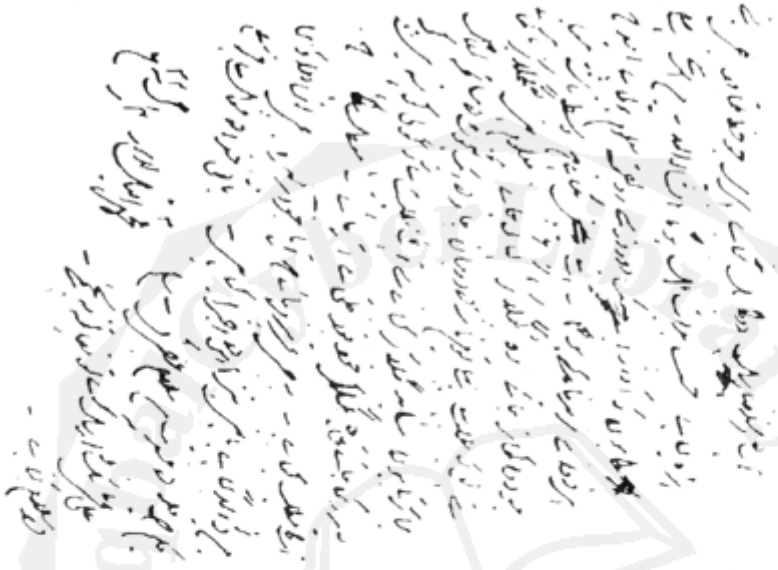

علامہ اقبال کا خط سید نذیر نیازی کے نام مورخہ ۱۴، اگست ۱۹۳۴ء (مشمولہ کلیات مکاتیب اقبال جلد سوم)

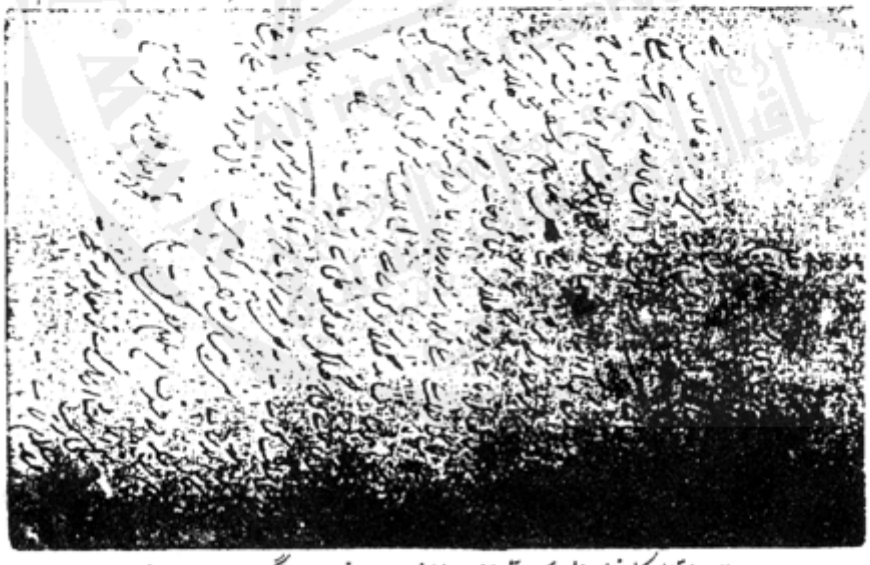

علامہ اقبال کا خط بنام سید نذیر نیازی مورخہ ۱۴، اگست ۱۹۳۴ء
جس کا عکس راقم کے ذخیرۂ نوادر میں ہے (ت۔ ف)